اسی طرح جب آپ کی اور آپ کے اصحاب کی مصائب انتہا کو پہونچ گئیں اور سفر طائف نے ان کی اصلاح سے ایک قسم کی ناامیدی بھی پیدا کردی۔ تب جاء ہم نصرنا کا مصداق ظاہر ہوا اور اللہ تعالیٰ کی نصرت اور امداد آپہنچی وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انصار کو آپ کی اور آپ کے دین کی نصرت اور حمایت کے لیے مدینہ سے بھیجا وہ آئے اور آپ کے دست مبارک پر آپ کی نصرت وحمایت کی بیعت کر کے واپس ہوئے۔ فرضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

ہجرت مدینہ منورہ زادہا اللہ تنویرا

جس طرح نبوت کی ابتداء رویائے صالحہ (سچے خواب) سے ہوئی اسی طرح ہجرت کی ابتداء بھی رویائے صالحہ سے ہوئی۔ ابتداءً حضور کو خواب میں ہجرت کی جگہ دکھلائی گئی۔ مقام کا نام نہیں بتلایا گیا۔ بلکہ اجمالاً صرف اتنا دکھلایا گیا کہ آپ ایک نخلستان (کھجور والی سرزمین) کی طرف ہجرت فرمارہے ہیں اس لیے آپ کو خیال ہوا کہ شاید وہ مقام یمامہ یا ہجر ہو آپ اسی تامل اور تردد میں تھے کہ وحی الٰہی نے مدینہ منورہ کی تعیین کردی تب آپ نے بحکم الٰہی حضرات صحابہ کو مدینہ منورہ ہجرت کر جانے کا حکم دیا[1]

ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ وحی نازل فرمائی کہ مدینہ اور بحرین، قنسرین ان تین شہروں میں سے جس شہر میں بھی جا کر آپ فروکش ہوں وہی آپ کا دارالہجرت ہے۔ (رواہ الترمذی والبیہقی عن جریرؓ کذا فی البدایۃ والنہایۃ ص ۱۶۸ ج ۳۔)

نکتہ: جس طرح مہمان عزیز پر متعدد مکانات پیش کیے جاتے ہیں کہ جس کو چاہے پسند کرے اسی طرح بطور اعزاز واکرام حضور کو ہجرت کے لیے متعدد مقامات دکھلائے گئے اور اخیر میں مدینہ منورہ متعین اور منتخب ہوا محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ بیعت عقبہ کے مکمل ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ یہ حکم سنتے ہی پوشیدہ طور پر ہجرت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] زرقانی ج: ۱، ص: ۳۱۸۔

رضاعی بھائی ابوسلمۃ بن عبدالاسد مخزومی نے مع بیوی اور بچے کے ہجرت کا ارادہ فرمایا مگر ہجرت کرنا بھی کوئی آسان نہ تھا جو ہجرت کا ارادہ کرتا قریش سدِّ راہ ہوتے اور پوری کوشش کرتے کہ ہجرت نہ کرنے پائے ورنہ اپنے جور و ستم کا تختۂ مشق کس کو بنائیں گے۔ چنانچہ ابوسلمہ مع بیوی اور بچہ کے ہجرت کے لیے تیار ہو گئے اور اونٹ پر کجاوہ بھی کس دیا اور بیوی اور بچہ کو اس پر سوار بھی کر دیا۔ اس وقت لوگوں کی اطلاع ہوئی۔ ان کی بیوی ام سلمہ (جو کہ ابوسلمہ کی وفات کے بعد ام المؤمنین بنیں) کے رشتہ داروں نے یہ کہا کہ تم کو اپنے نفس کا اختیار ہے لیکن ہماری بیٹی کو تم نہیں لے جاسکتے اور یہ کہہ کر ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا اور ادھر سے ابوسلمہ کے رشتہ دار آپہنچے اور یہ کہہ کر کہ یہ بچہ ہمارے خاندان کا ہے اس کو کوئی نہیں لے جاسکتا۔ ام سلمہ کی گود سے چھین لیا۔ ماں اور باپ اور بچہ سب ایک دوسرے سے جدا ہو گئے اور ابوسلمہ رضی اللہ عنہ تن تنہا مدینہ منورہ روانہ ہوئے ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب صبح ہوتی تو میں ابطح میں جا کر بیٹھ جاتی اور شام تک روتی رہتی جب اسی طرح ایک سال گذر گیا تو میرے بنی الاعمام میں سے ایک شخص کو مجھ پر رحم آیا اور بنی المغیرہ سے یہ کہا کیا تم اس کو مسکینہ پر رحم نہیں آتا۔ اس پر بنی المغیرہ نے مجھ کو مدینہ جانے کی اجازت دے دی اور بنی الاسد نے میرا بچہ واپس کر دیا۔ میں نے بچہ کو گود میں اٹھایا اونٹ پر سوار ہو کر تنہا مدینہ کا راستہ لیا۔

جب مقام تنعیم پر پہنچی تو عثمان بن طلحہ[1] ملے تنہا دیکھ کر پوچھا کہاں کا قصد ہے میں نے کہا اپنے شوہر کے پاس مدینہ جا رہی ہوں پوچھا تمہارے ساتھ کوئی نہیں میں نے کہا:

لا واللّٰہ اِلّا اللّٰہ وبُنَیّ ھذا | خدا کی قسم کوئی نہیں مگر اللہ تعالیٰ اور میرا یہ بچہ

یہ سن کر عثمان کا دل بھر آیا اونٹ کی مہار پکڑ کر آگے آگے ہو لیے جب کوئی منزل آتی تو اونٹ بٹھلا کر خود پیچھے ہٹ جاتے۔ جب میں اتر جاتی تو اونٹ کو دُور لے جاتے اور ایک

[1] عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور خالد بن ولید کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ عثمان بن طلحہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں شہید ہوئے۔ روض الانف ص ۴ ج ۲

درخت سے باندھ کر اس درخت کے سایہ میں لیٹ جاتے اور جب روانگی کا وقت آتا تو اونٹ لاکر کھڑا کر دیتے اور خود پیچھے ہٹ جاتے اور یہ کہتے کہ سوار ہو جاؤ جب میں سوار ہو جاتی تو مہار پکڑ کر چلتے۔ جب کسی منزل پر اترتے تو ایسا ہی کرتے۔ یہاں تک کہ مدینہ پہنچے۔ جب قباء کے مکانات دُور سے نظر آنے لگے تو یہ کہا کہ اسی بستی میں تمہارے شوہر مقیم ہیں۔ اللہ کی برکت کے ساتھ اس بستی میں داخل ہوئے اور میرے شوہر کے پاس پہنچا کر مکہ واپس آگئے۔ خدا کی قسم میں نے عثمان بن طلحہ سے زیادہ کسی کی شریف نہیں پایا[1]

پھر عامر بن ربیعہ نے مع اپنی بی بی لیلی بنت خیثمہ کے اور پھر ابواحمد بن جحش اور ان کے بھائی عبداللہ بن جحش نے مع اہل وعیال کے ہجرت کی اور مکان کو قفل ڈال دیا۔

عتبہ اور ابوجہل کھڑے ہوئے اس منظر کو دیکھ رہے تھے کہ لوگ ایک ایک کر کے مکہ سے کوچ کر رہے ہیں۔ مکہ کے مکان خالی اور ویران ہو رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر عتبہ کا دل بھر آیا اور سانس بھر کر یہ کہا۔

وَكُلُّ دَارٍ وَإِنْ طَالَتْ سَلَامَتُهَا   يَوْمًا سَتُدْرِكُهَا النَّكْبَاءُ وَالْحُوبُ

ہر مکان خواہ وہ کتنے ہی عرصہ تک آباد اور عشرت کدہ بنا رہے لیکن ایک نہ ایک دن وہ غم کدہ اور ماتم کدہ بن جاتا ہے۔

اور پھر یہ کہا کہ یہ سب کچھ ہمارے بھتیجے کا کام ہے جس نے ہماری جماعت میں تفریق ڈال دی۔

بعدازاں عکاشہ بن محصن اور عقبہ بن وہب اور شجاع بن وہب اور اربد بن جمیرہ اور منقذ بن نباتہ اور سعید بن رقیش اور محرز بن نضلہ اور یزید بن رقیش بن جابر اور عمرو بن محصن اور مالک بن عمرو اور صفوان بن عمرو اور ثقف بن عمرو اور ربیعہ بن اکثم اور زبیر بن عبیدہ اور تمام بن عبیدہ اور سخبرۃ بن عبیدہ اور محمد بن عبداللہ بن جحش اور مستورات میں سے زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور ام حبیب بنت جحش اور جذامہ بنت جدل اور ام قیس

---

[1] البدایۃ والنہایۃ: ج:۳، ص:۱۶۹

بنت محصن اور ام حبیب بنت ثمامہ اور آمنہ بنت رقیش اور سخبرہ بنت تمیم اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنھن اجمعین نے ہجرت کی بعد ازاں حضرت عمر اور عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ بیس سواروں کے ساتھ ہجرت کیلئے روانہ ہوئے۔

ہشام بن العاص نے بھی حضرت عمر کے ساتھ ہجرت کا ارادہ کیا لیکن قوم کے لوگوں نے مزاحمت کی اور ان کو ہجرت کرنے سے روک دیا۔

جب حضرت عمر اور عیاش بن ابی ربیعہ مدینہ پہنچ گئے تو ابوجہل بن ہشام اور حارث بن ہشام (ابوجہل کے بھائی جو بعد میں مشرف باسلام ہوئے) دونوں مدینہ پہنچے اور جا کر یہ کہا کہ تیری ماں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تجھ کو نہ دیکھ لیگی اس وقت تک نہ سر میں کنگھی کریگی اور نہ دھوپ سے سایہ میں آئے گی۔ یہ سن کر عیاش کا دل بھر آیا اور ابوجہل کے ساتھ ہولیے۔ ابوجہل نے راستہ ہی سے عیاش کی مشکیں باندھ لیں اور مکہ لا کر عرصہ تک قید میں رکھا اور طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے اور ان کی رہائی کے لیے دُعا فرماتے۔

اللھم انج الولید بن الولیدوسلمة بن ھشام وعیاش بن ابی ربیعة	اے اللہ تو ولید اور سلمہ اور عیاش کو مشرکین کے جور وستم سے نجات دے۔

چنانچہ اللہ نے نجات دی اور چھوٹ کر مدینہ پہنچے۔

جن لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کی ان کے اسماء حسب ذیل ہیں۔

زید بن الخطاب [1] (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بڑے بھائی) اور سراقہ کے دونوں بیٹے عمرو بن سراقہ اور عبداللہ بن سراقہ خنیس بن حذافہ سہمی اور سعید بن عمرو بن نفیل اور

---

[1] زید بن الخطاب سابقین اولین میں سے ہیں ۱۲ھ میں جنگ یمامہ میں شہید ہوئے حضرت عمر کو جب زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو حضرت عمر کو بہت صدمہ ہوا اور یہ فرمایا۔ سبقنی الی الحسنیین اسلم قبلی استشھد قبلی زید نے مجھ سے دو بھلی باتوں میں سبقت کی مجھ سے پہلے مسلمان ہوئے اور مجھ سے پہلے شہید ہوئے۔ زرقانی ص ۳۲۰ ج ا۔

واقد بن عبداللہ تمیمی اور خولی بن ابی خولی اور مالک بن ابی خولی اور بکیر کے چاروں بیٹے ایاس بن بکیر اور عامر بن بکیر اور عاقل بن بکیر اور خالد بن بکیر رضی اللہ عنھم اجمعین ہجرت کر کے مدینہ پہنچے بعدازاں ہجرت کرنے والوں کا ایک تانتا بندھ گیا۔ طلحہ بن عبیداللہ اور صہیب بن سنان اور حمزہ بن عبدالمطلب اور زید بن حارثہ اور ابو مرثد کناز بن حصین اور انسہ اور ابو کبشہ اور عبیدۃ بن الحارث اور ان کے دونوں بھائی طفیل بن حارث اور حصین بن حارث اور مسطح بن اثاثہ اور سویبط بن سعد اور طلیب بن عمیر اور خباب بن الارت اور عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن العوام اور ابو سبرۃ بن ابی رہم۔ مصعب بن عمیر ابو حذیفہ بن عتبہ اور سالم مولی ابی حذیفہ اور عتبہ بن غزوان اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنھم اجمعین ہجرت کر کے مدینہ پہنچے الغرض رفتہ رفتہ تمام صحابہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے۔

رسول اللہ ﷺ کے پاس مکہ میں سوائے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کوئی باقی نہ رہا مگر چند بے کس اور بے پناہ مسلمان جو کفار کے پنجہ میں پھنسے ہوئے تھے[1]

دارالندوہ میں قریش کا اجتماع اور آپ کے قتل کا مشورہ[2]

قریش نے جب یہ دیکھا کہ صحابہ رفتہ رفتہ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آج کل میں جانے والے ہیں تو مشورہ کے لئے دارالندوہ میں حسب

(۱) ابن ہشام ج:۲ ص:۳۰ ۲ مکہ میں یہ پہلا مکان ہے جس کو قصی بن کلاب نے خاص مشوروں ہی کے لیے تعمیر کیا تھا جس میں جمع ہو کر مشورے کیا کرتے تھے۔ قصی بن کلاب کے بعد یہ مکان بنی عبدالدار کے قبضہ میں آیا اور ان سے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے خریدا جو بعد میں مشرف باسلام ہوئے اور حضرت معاویہ کے زمانہ خلافت میں حکیم نے یہ مکان ایک لاکھ درہم میں فروخت کیا۔ بعض احباب نے ملامت کی کہ آباء واجداد کے شرف اور بزرگی کی ایک نشانی کو تم نے اپنے ہاتھ سے کھو دیا۔ حکیم رضی اللہ عنہ نے حکیمانہ جواب دیا۔ ذہبت واللہ المکارم الا التقوی خدا کی قسم ساری بزرگیاں اور شرف ختم ہو گئے۔ سوائے تقوی اور پرہیزگاری کے واللہ میں نے یہ مکان زمانہ جاہلیت میں ایک شراب کی مشک دیکر خریدا تھا اور اب ایک لاکھ میں فروخت کیا اور میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ ایک لاکھ سب کے سب خدا کے راستہ میں دیتا ہوں بتلاؤ کیا نقصان رہا (ذکرہ الدارقطنی فی رجال الموطا) زرقانی ص ۳۲۱ ج ۱۔

ذیل سرداران قریش جمع ہوئے۔ عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ بن ربیعہ۔ ابوسفیان بن حرب۔ طعیمہ بن عدی۔ جبیر بن مطعم۔ حارث بن عامر۔ نضر بن حارث۔ ابو البختری بن ہشام۔ زمعہ بن الاسود۔ حکیم بن حزام۔ ابوجہل بن ہشام۔ نبیہ اور منبہ پسران حجاج، امیہ بن خلف وغیرہ۔ ابلیس لعین ایک بوڑھے شخص کی شکل میں نمودار ہوا۔ اور دروازہ پر کھڑا ہو گیا۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں۔ کہا میں نجد کا ایک شیخ ہوں۔ تمہاری گفتگو سننا چاہتا ہوں اگر ممکن ہوا تو اپنی رائے اور مشورہ سے میں تمہاری امداد کروں گا۔

لوگوں نے اندر آنے کی اجازت دی اور گفتگو شروع ہوئی کسی نے کہا کہ آپ کو کسی بند کوٹھڑی میں قید کر دیا جائے۔ شیخ نجدی نے کہا یہ رائے درست نہیں اس لیے کہ اس کے اصحاب اگر کہیں سن پائیں تو تم پر ٹوٹ پڑیں گے اور ان کو چھڑا کر لے جائیں گے۔ کسی نے کہا آپ کو جلائے وطن کر دیا جائے۔ شیخ نجدی نے کہا کہ یہ رائے تو بالکل ہی غلط ہے کیا تم کو اس کے کلام کی خوبی اور شرینی اور دل آویزی اور دلوں پر اس کا چھا جانا معلوم نہیں اگر ان کو یہاں سے نکال دیا تو ممکن ہے کہ دوسرے شہر والے ان کا کلام سُن کر ان پر ایمان لے آئیں اور پھر سب مل کر ہم پر حملہ آور ہوں۔

ابوجہل نے کہا میری رائے یہ ہے کہ نہ تو ان کو قید کیا جائے اور نہ جلاوطن کیا جائے۔ بلکہ ہر قبیلہ میں سے ایک نوجوان منتخب کیا جائے اور پھر سب مل کر دفعۃً محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر ڈالیں۔ اس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خون تمام قبائل میں تقسیم ہو جائے گا اور بنی عبد مناف تمام قبائل سے نہ لڑ سکیں گے۔ مجبوراً خون بہا اور دیت پر معاملہ ختم ہو جائے گا۔

شیخ نجدی نے کہا واللہ رائے تو بس یہ ہے اور حاضرین جلسہ نے بھی اس رائے کو بہت پسند کیا[1]

اور یہ بھی طے بھی پایا کہ یہ کام اسی شب میں انجام کو پہنچا دیا جائے۔ ادھر جلسہ برخاست ہوا اور اُدھر جبریل امین وحی ربانی لے کر پہنچے۔

[1] طبقات ابن سعد ج:۱ ص:۱۵۲، عیون الاثر ج۱ ص:۱۷۷

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ [1]	اور یاد کرو جس وقت کافر تدبیریں کر رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا قتل کر ڈالیں یا نکال دیں اور طرح طرح کے فریب کرتے تھے اور تدبیر کرتا ہے اللہ اور اللہ بہترین تدبیر فرمانے والے ہیں۔

اور تمام واقعہ سے آپ کو مطلع کیا اور من جانب اللہ آپ کو ہجرت مدینہ کی اجازت کا پیام پہنچایا اور یہ دعا تلقین کی گئی۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِيْرًا [2]	اور یہ دعا مانگیے کہ اے پروردگار مجھ کو سچا پہنچانا پہنچا دیجئے اور سچا نکالنا مجھ کو نکالیے اور اپنے پاس سے مجھ کو ایک حکومت اور نصرت عطا فرمائیے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جبریل امین سے دریافت فرمایا کہ میرے ساتھ کون ہجرت کرے گا۔ جبریل امین نے کہا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (رواہ الحاکم وقال صحیح الاسناد وقال الذہبی صحیح غریب)[3]

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ عین دوپہر کے وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ مجھ کو ہجرت کی اجازت ہوگئی ہے۔ ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں کیا اس ناچیز کو بھی ہم رکاب ہونے کا شرف حاصل ہو سکے گا۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔

ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ ابوبکر یہ سن کر رو پڑے۔ عائشہ فرماتی ہیں کہ اس سے پیشتر مجھ کو گمان نہ تھا کہ فرط مسرت سے بھی کوئی رونے لگتا ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

---

[1] الانفال، آیہ: ۳۰ [2] الاسراء، آیہ: ۸۰ (رواہ الترمذی عن ابن عباس وصححہ الحاکم فی المستدرک۔ فتح الباری ص ۱۷۷ ج ۷ وزرقانی ص ۳۲۳ ج ۱) [3] زرقانی ج: ۱ ص: ۳۲۶۔

پہلے ہی سے ہجرت کے لیے دو اونٹنیاں تیار کر رکھی تھیں۔ جن کو چار مہینے سے ببول کے پتے کھلا رہے تھے۔ عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں ان میں سے جس ایک کو پسند فرمائیں وہ میری طرف سے آپ کے لیے ہدیہ ہے آپ نے فرمایا میں بدون قیمت کے نہ لوں گا۔

معجم طبرانی میں حضرت اسماء بنت ابی بکر سے مروی ہے کہ ابوبکر نے عرض کیا کہ بہتر ہے اگر آپ قیمۃً لینا چاہیں۔ قیمۃً لے لیں[1]

مطلب یہ کہ میری ذاتی خواہش کچھ بھی نہیں میری ہر خواہش اور میلان آپ کے اشارہ کے تابع ہے۔

اس مقام پر بعض لوگوں کو یہ شبہ پیش آیا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس اونٹنی کی قیمت سے کہیں زائد آپ کی ذات بابرکات پر خرچ کیا اور آپ نے اس کو قبول فرمایا۔ چنانچہ بخاری میں ہے کہ جس قدر ابوبکر نے اپنی جان اور مال سے مجھ پر احسان کیا اتنا کسی نے نہیں کیا۔ اور ترمذی میں ہے کہ جس شخص نے میرے ساتھ جو احسان کیا ہے میں نے اسکی مکافات کر دی ہے سوائے ابوبکر کے کہ اس کے احسانات کا بدلہ قیامت کے دن اللہ ہی دے گا۔ اس لیے شبہ ہوا کہ اس وقت آپ نے اونٹنی کی قیمت دینے میں کیوں اصرار فرمایا۔

جواب یہ ہے کہ ہجرت ایک عظیم عبادت ہے۔ جس کو حق تعالیٰ نے بعد ایمان کے ذکر فرمایا ہے اس لیے آپ اس عبادت عظمیٰ میں کسی کو شریک نہیں کرنا چاہتے تھے آپ یہ چاہتے تھے کہ خدا کی راہ میں ہجرت صرف اپنی ہی جان و مال سے ہو۔[2]

فائدہ

واقدی کہتے ہیں کہ اس اونٹنی کا نام قصواء تھا محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ اس کا نام جدعاء تھا (بخاری باب غزوۃ الرجیع)[3]

---

[1] فتح الباری ج:۷، ص:۱۸۳ [2] روض الانف ج:۲، ص:۳ [3] زرقانی ج:۱، ص:۳۴۷

واقدی فرماتے ہیں کہ اس اونٹنی کی قیمت آٹھ سو درہم تھی۔ علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ چار سو درہم تھی۔ آٹھ سو درہم دونوں اونٹنیوں کی قیمت تھی۔

چنانچہ حضرت عائشہ کی ایک روایت میں اس کی تصریح ہے کہ:۔

وكان ابو بكر اشتراهما بثمان مائة درهم۔[1]	ابوبکر نے دونوں اونٹنیوں کو آٹھ سو درہم میں خریدا تھا۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ جبریل امین نے آکر قریش کے مشورہ کی اطلاع دی اور یہ مشورہ دیا کہ آپ یہ رات اپنے کاشانہ مبارک میں نہ گذاریں۔ (اخرجہ البیہقی)[2]

چنانچہ جب رات کا وقت آیا اور تاریکی چھا گئی[3] تو قریش نے حسب قرارداد آکر آپ کے مکان کو گھیر لیا کہ جب آپ سو جائیں تو آپ پر حملہ کریں۔ آپؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حکم دیا کہ میری سبز چادر اوڑھ کر میرے بستر پر لیٹ جاؤ اور ڈرو مت تم کو کوئی کسی قسم کی گزند نہ پہنچا سکے گا۔ قریش اگرچہ آپ ﷺ کے دشمن تھے لیکن آپ کو صادق و امین سمجھتے تھے اور امانتیں آپ ہی کے پاس رکھتے تھے۔ آپ نے وہ سب امانتیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد کیں کہ صبح کو یہ امانتیں لوگوں تک پہنچا دینا۔ ابوجہل لعین باہر کھڑا ہوا ہنس ہنس کر لوگوں سے یہ کہہ رہا تھا کہ محمد ﷺ کا زعم یہ ہے کہ اگر تم ان کا اتباع کرو تو دنیا میں عرب و عجم کے بادشاہ بنو گے اور مرنے کے بعد تم کو بہشت بریں ملے گی اور ان پر ایمان نہ لاؤ گے تو دنیا میں ان کے پیروؤں کے ہاتھ سے قتل ہو جاؤ گے اور مرنے کے بعد جہنم میں جلو گے۔

نبی اکرم ﷺ گھر میں سے ایک مشت خاک لیے ہوئے برآمد ہوئے اور فرمایا کہ ہاں میں یہی کہتا ہوں اور تو بھی ایک انہی میں سے ہے کہ دنیا میں میرے اصحاب کے ہاتھ سے قتل ہوگا اور مرنے کے بعد جہنم میں جلے گا اور اس مشت خاک پر سورۂ یٰسین کی شروع کی

---

[1] طبقات ابن سعد، ج:۱، ص:۱۵۳ [2] الخصائص ج:۱، ص:۱۸۵ [3] جن لوگوں نے آپ کے مکان کا محاصرہ کیا ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ ابوجہل۔ حکم بن العاص۔ عقبۃ بن ابی معیط۔ نضر بن حارث۔ بن حلف ابن عیطلہ۔ زمعۃ بن الاسود۔ طعیمۃ بن عدی۔ ابولہب۔ ابی بن خلف۔ نبیہ اور منبہ پسران حجاج۔ طبقات ابن سعد ص ۱۵۴ ج ۲

آیتیں " فاغشینا ہم فہم لا یبصرون " تک پڑھ کر ان کے سروں پر ڈال دی۔ اللہ نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور آپ ان کے سامنے سے گذر گئے اور کسی کو نظر نہ آئے[1]
آپ ان کے سامنے سے نکل کر ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر گئے اور ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہمراہ لیکر جبل ثور کا راستہ لیا اور وہاں جا کر ایک غار میں چھپ گئے۔
اسی اثناء میں ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کے پاس سے گذرا تو قریش کی جماعت سے دریافت کیا کہ تم کیوں کھڑے ہو اور کس کے منتظر ہو۔ کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے منتظر ہیں کہ وہ برآمد ہوں تو ہم ان کو قتل کر دیں۔ اس شخص نے کہا اللہ تم کو ناکام کرے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے سروں پر خاک ڈال کر گذر بھی گئے جب صبح ہوئی اور حضرت علی آپ کے بستر سے اٹھے تو یہ کہنے لگے کہ واللہ اس شخص نے ہم سے سچ کہا تھا اور نہایت ندامت کے ساتھ حضرت علی سے پوچھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہیں۔ حضرت علی نے کہا مجھ کو علم نہیں[2] اور یہ روایت طبقات ابن سعد میں حضرت علی اور ابن عباس اور عائشہ صدیقہ اور عائشہ بنت قدامہ اور سراقہ بن جعشم رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

فائدہ

کفار قریش نے تمام شب آپ کے مکان کا محاصرہ تو رکھا مگر مکان کے اندر نہیں گھسے اس لیے کہ اہل عرب کسی کے زنانہ مکان میں گھسنے کو معیوب سمجھتے تھے بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے تو ٹیلے پر سے ایک نظر ڈال کر مکہ کو دیکھا اور یہ فرمایا۔

واللّٰـه انك لخير ارض الله واحب ارض الى الله ولولا انـي اخـرجـت مـنـك ماخرجت۔	خدا کی قسم تو اللہ کی سب سے بہتر زمین ہے اور سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک محبوب ہے اگر میں نکالا نہ جاتا تو نہ نکلتا (ترمذی)

---

[1] عیون الاثر ج ۱ ص ۱۷۹، [2] البدایۃ والنہایۃ ج ۳ ص ۱۷۶

حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح ہے[1] ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے اس وقت یہ فرمایا۔

ما اطیبک من بلد واحبک الی ولولا ان قومی اخرجونی ماسکنت غیرک رواہ احمد والترمذی وصححہ[2]	تو کیا ہی پاکیزہ شہر ہے اور مجھ کو بڑا ہی محبوب ہے اگر میری قوم مجھ کو نہ نکالتی تو میں دوسری جگہ سکونت اختیار نہ کرتا۔ اس حدیث کو امام احمد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح بتلایا ہے۔

فائدہ

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ سے افضل ہے اور یہی جمہور علماء کا قول ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماء نے سفر کے لیے ناشتہ تیار کیا عجلت میں بجائے رسّی کے اپنا (پٹکا) پھاڑ کر ناشتہ دان باندھا۔ اسی روز سے حضرت اسماء ذات النطاقین کے نام سے موسوم ہوئیں ابن سعد کی روایت میں یہ ہے کہ ایک ٹکڑے سے توشہ دان باندھا اور دوسرے سے مشکیزہ کا منہ بند کیا[3] اور عبداللہ بن ابی بکر جو ابوبکر کے فرزند ارجمند تھے اور جوان تھے وہ دن بھر مکہ میں رہتے اور رات کو آ کر قریش کی خبریں بیان کرتے اور عامر بن فہیرہ ابوبکر صدیق کے آزاد کردہ غلام بکریاں چرایا کرتے تھے عشاء کے وقت آ کر آنحضرت ﷺ کو اور ابوبکر کو بکریوں کا دودھ پلا جاتے تھے۔[4]

اور عبداللہ اریقط دولی[5] کو رہبری کے لیے اجرت پر مقرر کیا کہ وہ غیر معروف راستہ سے لے جائے۔ عبداللہ بن اریقط اگرچہ مذہباً کافر اور مشرک تھا لیکن رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس پر اعتماد اور بھروسہ کیا (بخاری شریف باب الہجرت)

---

[1] مستدرک: ج ۳، ص: ۷ [2] زرقانی ج ۱، ص: ۳۲۸ [3] طبقات ابن سعد ج: ۱، ص: ۱۵۴
[4] البدایہ والنہایہ ج: ۲، ص: ۱۸۴ [5] امام نووی فرماتے ہیں کہ مجھ کو معلوم نہیں کہ عبد بن اریقط اسلام لایا یا نہیں۔ وفاء الوفاء ص ۱۲۹ ج ۱

اور اونٹنیاں اس کے سپرد کیں کہ دونوں کو تیسرے دن جبل ثور پر لے کر حاضر ہو جائے اور مدینہ لے کر روانہ ہو جائے۔

فائدہ

راستہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمایا اور کافر کو مزدوری دے کر ہمراہ لیا کہ آپکی اونٹنی کی لگام پکڑ کر چلے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کافر قابل اطمینان ہو تو اُجرت دیکر اس سے خدمت لینا جائز ہے۔ یہ کافر حضور کا مزدور اور اجیر تھا۔ معاذ اللہ قائد اور امیر نہ تھا۔ اس حدیث سے کافر کی اُجرت اور خدمت کا جواز معلوم ہوا۔ لیکن کافر اور مشرک کو اپنا قائد اور امیر بنانے کا جواز اس سے کہیں ثابت نہیں ہوتا۔

غار ثور

الغرض گھر سے نکل کر رات ہی دونوں حضرات غار ثور کی طرف روانہ ہوئے دلائل بیہقی میں محمد بن سیرین سے مرسلاً مروی ہے کہ جب آپ غار کی طرف روانہ ہوئے تو اس یار غار اور ہمدم وجان نثار محبت با اخلاص اور صدیق با اختصاص کی بیتابی اور بے چینی کا عجب حال تھا کبھی آپ کے آگے چلتے اور کبھی پیچھے اور کبھی دائیں اور کبھی بائیں بالآخر آپ نے دریافت فرمایا اے ابوبکر یہ کیا ہے کبھی آگے چلتے ہو اور کبھی پیچھے ابوبکر نے عرض کیا، یا رسول اللہ۔ جب یہ خیال آتا ہے کہ کہیں پیچھے سے تو کوئی آپ کی تلاش میں نہیں آ رہا تو پیچھے چلتا ہوں اور جب یہ خیال آتا ہے کہ کہیں کوئی گھات میں نہ بیٹھا ہو تو آگے چلتا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے ابوبکر کیا اس سے تمہارا یہ مقصد ہے کہ تم قتل ہو جاؤ اور میں بچ جاؤں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا۔ یہی چاہتا ہوں کہ آپ بچ جائیں اور میں قتل ہو جاؤں۔ جب غار پر پہنچے تو عرض کیا یا رسول اللہ ذرا ٹھہریئے میں اندر جا کر آپ کے لیے غار کو صاف

کرلوں۔ حافظ عسقلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اسی طرح عبداللہ بن ابی ملیکہ اور حسن بصری سے مروی ہے!

دلائل بیہقی میں ضبۃ بن حصن سے مروی ہے کہ حضرت عمر کے سامنے جب حضرت ابوبکرؓ کا ذکر آتا تو یہ فرماتے کہ ابوبکر کی ایک رات اور ایک دن عمرؓ کے تمام عمر کی عبادت سے کہیں بہتر ہے۔ رات تو غار کی اور یہ قصہ بیان فرماتے جو ابھی ذکر کیا گیا ہے اور دن وہ کہ جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی وفات ہوگئی اور عرب کے بہت سے قبائل مرتد ہوگئے۔ اس وقت میں آپ کی خدمت حاضر ہوا اور خیر خواہانہ عرض کیا اے خلیفۂ رسول اللہ آپ ذرا نرمی کیجیے اور تالیف سے کام لیجیے ابوبکر نے غصہ ہو کر یہ کہا۔

جَبّارٌ فی الجاهلية وخوّارٌ فی الاسلام۔	اے عمر جاہلیت کے زمانہ میں تو بہادر اور دلیر تھا اب کیا اسلام میں آ کر بزدل بن گیا۔

بتلا تو سہی کس چیز سے ان کی تالیف کروں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور وحی منقطع ہوگئی۔ خدا کی قسم اگر یہ لوگ اس رسی کے دینے سے بھی انکار کریں گے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیا کرتے تھے تو میں ان سے ضرور جہاد و قتال کروں گا۔ عمر کہتے ہیں پس ہم نے ابوبکرؓ کے حکم سے جہاد کیا اور اللہ نے ابوبکرؓ کے ذریعہ سے ان تمام لوگوں کو جو اسلام سے بھاگ گئے تھے پھر اسلام کی طرف واپس فرمادیا۔ یہ ہے ابوبکر کا وہ دن جس پر عمرؓ اپنی تمام عمر کی عبادت تصدق کرنے کے لیے تیار تھے[۲] اور یہ روایت مستدرک حاکم میں مذکور ہے۔ حاکم فرماتے ہیں کہ اگر یہ روایت مرسل نہ ہوتی تو شرط بخاری اور مسلم پر صحیح ہوتی۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں صحیح مرسل یہ ہے کہ اوّل ابوبکر غار میں اترے اور بعد ازاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غار میں فروکش ہوئے اور باذن الٰہی ایک مکڑی نے غار کے منہ پر ایک جالا تانا۔

یہ روایت طبقات ابن سعد میں عائشہ صدیقہ اور ابن عباس اور علی بن ابی طالب اور

۱؎ فتح الباری، ج: ۷، ص: ۱۸۵ ۲؎ در منثور، ج: ۳، ص: ۲۴۶

عائشہ بنت قدامہ اور سراقہ بن جعشم رضی اللہ عنہم سے متعدد سندوں کے ساتھ مروی ہے جس میں بعض سندوں کے راوی بخاری اور مسلم کے راوی ہیں مسند احمد بن حنبل میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قریش تمام شب آپ ﷺ کے مکان کا محاصرہ کیے رہے۔ جب صبح ہوئی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو آپ کے بستر سے اٹھتے دیکھا تو آپ کی بابت دریافت کیا کہ کہاں ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا مجھ کو علم نہیں۔ اس وقت آپ کی تلاش میں ہر طرف دوڑے، ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار تک پہنچے۔

فراوا اعلی بابہ نسج العنکبوت فقالوا لودخل ھنالم یکن نسج العنکبوت علی بابہ۔

تو غار کے دروازہ پر مکڑی کا جالا دیکھ کر یہ کہا کہ اس میں جاتے تو غار کے دروازے پر مکڑی کا جالا باقی نہ رہ سکتا۔

حافظ عسقلانی[1] فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند حسن ہے[2] حافظ ابن کثیر البدایۃ و النھایۃ میں فرماتے ہیں یہ اسناد حسن ہے غار کے منہ پر مکڑی کے جالا تاننے کی جس قدر بھی روایتیں آئی ہیں ان سب سے جید اور بہتر یہی روایت ہے۔

ابو مصعب مکی فرماتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک اور زید بن ارقم اور مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہم کو یہ بیان کرتے سنا کہ جب رسول اللہ ﷺ غار ثور میں پناہ گزیں ہوئے تو اللہ کے حکم سے آپ کے چہرہ کے سامنے ایک درخت اگ آیا اور ایک جنگلی کبوتر کے جوڑے نے آکر انڈے دیئے۔ مشرکین جب ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار تک پہنچے تو کبوتروں کے گھونسلے دیکھ کر واپس ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل نے ان کو ہم سے دفع کیا[3]

---

[1] عسقلانی کے الفاظ ہیں ذکر احمد من حدیث عباس باسناد حسن اور حافظ ابن کثیر مسند احمد کی اس مفصل روایت کو نقل کرکے فرماتے ہیں۔ وھذا اسناد حسن وھو من اجود ما روی فی قصۃ نسج العنکبوت علی فم الغار وذالک من حما اللہ رسول اللہ ﷺ۔ البدایۃ والنھایۃ ص ۱۸۱ ج ۳ [2] فتح الباری ج: ۷، ص: ۱۸۳ [3] طبقات ابن سعد ج: ۱، ص: ۱۵۳

تنبیہ

یہ واقعہ کتب حدیث میں مختلف سندوں کے ساتھ مروی ہے ہر سند میں اگرچہ بعض راوی ضعیف ہیں لیکن مجموعہ سے قوت اور طاقت آجاتی ہے جو بضابطۂ محدثین حسن لغیرہ کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

بخاری، مسلم، ترمذی، مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ جب میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار میں تھے اور قریش ہمیں تلاش کرتے کرتے غار کے منہ پر آ کھڑے ہوئے اس وقت میں نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ ان میں سے اگر کسی کی نظر اپنے قدموں پر پڑ جائے تو یقیناً ہم کو دیکھ پائے گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

ماظنك يا ابا بكر باثنين الله ثالثهما۔	اے ابوبکر ان دو کے ساتھ تیرا کیا گمان ہے جن کا تیسرا اللہ ہے۔ (یعنی ہم دونوں تنہا نہیں بلکہ تیسرا ہمارے ساتھ خدا تعالیٰ ہے جو ہم کو ان اعداء کے شر سے محفوظ رکھے گا۔)

زہری اور عروۃ بن الزبیر سے مروی ہے کہ جب آپ نے دیکھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت حزیں اور غمگین ہیں تو یہ ارشاد فرمایا۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔	تو بالکل غم نہ کھا۔ یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اور ابوبکر کی تسکین کے لیے دعا بھی فرمائی۔ پس اللہ کی طرف سے ابوبکر پر ایک خاص سکینت اور خاص طمانیت نازل ہوئی۔ اسی بارہ میں حق جل شانہٗ فرماتے ہیں۔

اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا	جب وہ دونوں غار میں تھے تو پیغمبر علیہ السلام اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے تو بالکل

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۱؎ (دلائل ابی نعیم ص ۱۱۲ وفتح الباری ص ۱۰ ج ۷ باب مناقب ابی بکرؓ)

غم نہ کھا یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پس اللہ نے اس پر اپنی خاص تسکین نازل فرمائی اور قوت دی اسکو ایسے لشکروں سے جس کو تم نہیں دیکھتے تھے اور کافروں کی بات نیچی کی اور اللہ کی بات تو ہمیشہ اوپر رہتی ہے اور اللہ تو بڑا زبردست اور حکمت والا ہے۔

لطائف ومعارف

(تحقیق نزول آیۃ الغار در بارۂ یارِ غار سید الابرار علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات وعلیٰ آلہ وازواجہ الطاہرات وعلی اصحابہ الذین ہم کانوا نجوم الہدایۃ للبریات۔ لاسیما علی صاحبہ فی الغار وفی الحیات وبعد الممات ورفیقہ فی الدنیا وصاحبہ علی الحوض وفی روضات الجنات)

قبل اس کے کہ ہم آیت الغار کے لطائف ومعارف ہدیہ ناظرین کریں یہ مناسب سمجھتے ہیں کہ اوّل پوری آیت کو مع ترجمہ کے نقل کر دیا جائے تا کہ ناظرین وقارئین کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہ پیش آئے (وہی ہذہ)

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ

اگر تم لوگ رسول اللہ کی مدد نہ کرو گے تو کیا ہوگا۔ اللہ ان کا پہلے ہی مددگار ہے اسی نے اس وقت بھی مدد کی تھی کہ جب کافروں نے اس کو نکال دیا تھا در آں حالیکہ وہ دو میں کا دوسرا تھا جب وہ دونوں غار میں تھے یعنی اس صلی اللہ علیہ وسلم

۱؎ توبہ آیۃ: ۴۰

كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ[1]

اور دوسرے آپ کے ساتھی اور یار غار (یعنی ابوبکر صدیقؓ دو کے علاوہ اور کوئی شخص ہمراہ نہ تھا جس سے کسی سہارے کی توقع کی جاسکتی ہے) جسوقت آپ اپنے ساتھی اور یار غار سے یہ کہہ رہے تھے کہ غمگین نہ ہو یقین رکھ کہ اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے (یعنی اس کی حمایت اور حفاظت ہمارے ساتھ ہے) پس اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنی تسکین اور تسلی اتاری اور ایسے لشکروں سے تائید کی جن کو تم نے نہیں دیکھا (یعنی بلاسبب ظاہری کے فرشتوں کی فوج سے غارثور کی حفاظت فرمائی) اور اللہ نے کافروں کی بات نیچی کی (کہ غار کے کنارہ سے دشمنوں کو بے نیل مرام واپس کردیا۔) اور اللہ کا بول ہمیشہ بالا ہی رہتا ہے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے (کہ اس نے اپنے نبی اور اس کے رفیق کو دشمنوں کے نرغہ سے نکال کر بعافیت تمام مدینہ پہنچادیا)

حق جل شانہ نے اس آیت میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جن فضیلتوں اور خصوصیتوں کو بیان فرمایا ہے امت میں کسی کو اس کا عشر عشیر بھی نصیب نہیں ہوا۔ اب ہم ابو بکر صدیق کی وہ فضیلتیں جو اس آیت سے ثابت ہوتی ہیں اجمالاً بیان کرتے ہیں۔

[1] توبہ، آیۃ:۴۰

(۱)

کفار نا ہنجار جب آں حضرت ﷺ کے قتل پر تل گئے اور بالاتفاق سب نے آپ کے قتل کا عزم بالجزم کرلیا تب بحکم خداوندی آپ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا اور بحکم خداوندی ابو بکرؓ صدیق کو اپنے ہمراہ لیا پس اگر خداوند ذوالجلال کے نزدیک ابو بکر مخلص اور صادق الایمان اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے عاشق صادق نہ ہوتے تو ایسے نازک وقت میں اللہ تعالیٰ ہرگز اُن کو ساتھ لیجانے کی اجازت نہ دیتے اور علی ہذا خود پیغمبر کو اگر اُن کی صداقت اور محبت اور عشق اور خلوص پر یقین کامل نہ ہوتا تو کبھی بھی ابو بکر صدیق کو ایسے سفر میں اپنے ہمراہ نہ لے جاتے۔ معاذ اللہ معاذ اللہ رسول خدا۔ کم عقل تو نہ تھے کہ دوست اور دشمن۔ مخلص اور منافق کو نہ پہچانتے ہوں آں حضرت ﷺ کا ایسے سفر پر خطر میں ابو بکر صدیق کو اپنے ہمراہ لے جانا اس امر کی شہادت ہے کہ آں حضرت ﷺ ابو بکر کو اپنا محب خاص اور ہم دم باختصاص اور عاشق جان نثار اور جاں باز و غم گسار سمجھتے تھے اور حسب ارشاد باری فَلَعَرَفْتَہُمْ بِسِیْمَاھُمْ۔ وَلَتَعْرِفَنَّہُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ حق تعالیٰ نے حضور پرنور کو ایسا اعلیٰ درجہ کا نور فراست عطا کیا تھا کہ منافق کے چہرے اور اس کی بات ہی سے آپ پہچان لیتے تھے کہ یہ منافق ہے۔ پس اگر بفرض محال شیعوں کے زعم میں ابو بکر منافق تھے تو آں حضرت ﷺ پر انکا نفاق کیسے مخفی رہا اور اگر بالفرض حضور پرنور پر مخفی رہا تو خداوند علام الغیوب پر کیسے مخفی رہا کہ اس نے اپنے پیغمبر کو ہجرت میں ایک منافق کے ہمراہ لے جانے کا حکم دیا۔

(۲)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حسن بصری اور سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ اس آیت میں حق جل وعلا نے رسول خدا ﷺ کی مدد نہ کرنے پر تمام عالم کو عتاب فرمایا مگر صرف ابو بکر کو اس عتاب سے مستثنیٰ فرمایا اور صرف مستثنیٰ ہی نہیں فرمایا بلکہ ایسے آڑے اور نازک وقت میں رسول اللہ کی رفاقت اور مصاحبت اور معیت کو بطور مدح ذکر فرمایا۔

(۳) ثَانِیَ اثْنَیْن

حق جل شانہ نے ثانی اثنین کے لفظ سے یہ ظاہر فرمایا کہ پیغمبر خدا کے بعد مرتبہ میں دوسرا شخص ابوبکر صدیق ہیں امام قرطبی فرماتے ہیں کہ ثانی اثنین کا لفظ اس بات کی دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں اس لیے کہ خلیفہ۔ بادشاہ کا ثانی ہوتا ہے (تفسیر قرطبی ج:۸ ص:۱۴۷)

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے حسان بن ثابت سے کہا کہ کیا تو نے ابوبکر کے بارے میں بھی کوئی شعر کہا ہے۔ حسان نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا کہو اور میں سنتا ہوں پس حسان نے یہ کہا۔

وثانی اثنین فی الغار المنیف وقد

طاف العدو به اصعد الجبلا

وکان حب رسول اللّٰہ قد علموا

من البریة لم یعدل به رجلا

اخرجہ ابن عدی و ابن عساکر من طریق الزہری عن انس رضی اللہ عنہ۔

(۴) اِذْ ہُمَا فِی الْغَار

حق جل شانہ نے اذ ہما فی الغار کے لفظ سے ابوبکر صدیق کا یار غار ہونا ظاہر کر دیا اور یار غار کی مثل یہیں سے چلی ہے جو شخص یاری اور غمگساری کا حق ادا کر دے اس کو محاورہ میں یارِ غار کہتے ہیں۔

(۵) لِصَاحِبِہٖ

حق تعالیٰ نے لصاحبہ کے لفظ سے ابوبکر کی صحابیت کو بیان کیا اور شیعوں اور سنیوں کا

اس پر اتفاق ہے کہ آیت میں لفظ صاحبہ سے ابوبکر مراد ہیں اور عربی زبان میں صاحب کا لفظ صحابی کے ہم معنی ہے۔ صحابی اور صاحب کے معنی میں کوئی فرق نہیں اور یہ رتبہ صرف ابوبکر کو ملا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی صحابیت کو قرآن میں ذکر کیا اسی وجہ سے علماء نے تصریح کی ہے کہ ابوبکر صدیق کی صحابیت کا منکر قرآن کریم کی اس آیت اذیقول لصاحبہ کا منکر ہے اور قرآن کا انکار کفر ہے۔

اور علیٰ ہذا جن صحابہ کا صحابی ہونا احادیث متواترہ اور اجماع سے ثابت ہے ان کا بھی یہی حکم ہے البتہ جن حضرات کا صحابی ہونا خبر واحد سے ثابت ہوا ہے ان کی صحابیت کا منکر کافر نہیں کہلائے گا۔ بلکہ مبتدع یعنی بدعتی کہلائے گا۔

ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں ایک شخص سورۂ توبہ کی تلاوت کرتا ہوا جب اس آیت پر پہنچا اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَاتَحْزَنْ ۔ تو ابوبکر صدیق سن کر رو پڑے اور یہ فرمایا کہ خدا کی قسم یہ صاحب میں ہی ہوں[1]

(۶) لَاتَحْزَنْ

جب مشرکین مکہ آں حضرت ﷺ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار تک پہنچے تو غار کے اندر سے ابوبکر کی نظر ان پر پڑی۔ رونے لگے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر میں مارا جاؤں تو فقط ایک شخص ہلاک ہوگا لیکن نصیب دشمناں اگر آپ مارے گئے تو ساری امت ہلاک ہو جائے گی۔ اس وقت نبی کریم ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تسلی کے لیے یہ ارشاد فرمایا لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ اے ابوبکر تم غمگین نہ ہو۔ تم تسلی رکھو اور یقین جانو کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے[2]

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نانوتوی (بانی دارالعلوم دیوبند) ہدیۃ الشیعہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ لفظ لاتحزن جس کا مطلب یہ ہے کہ تم غمگین نہ ہو یہ لفظ ابوبکر کے عاشق صادق اور مؤمن مخلص ہونے پر دلالت کرتا ہے ورنہ اُن کو غمگین ہونے کی کیا

[1] تفسیر ابن جریر ج:۱۰، ص:۹۶ [2] روض الانف ج:۲، ص:۴

ضرورت تھی بلکہ موافق عقیدہ شیعہ معاذ اللہ اگر ابوبکر دشمن رسول تھے تو یہ نہایت خوشی کا محل تھا کہ رسول اللہ خوب قابو میں آئے ہوئے ہیں۔ اسی وقت پکار کر دشمنوں کو بلا لینا تھا تاکہ نعوذ باللہ وہ اپنا کام کرتے۔ دشمنوں کے لیے اس سے بہتر اور کون سا موقع تھا مگر کہیں انصاف کی آنکھیں اگر مول ملیں تو ہم حضرات شیعہ کے لیے مول لے لیں اور ان کو دیں تاکہ وہ کچھ تو پاس رفاقت خلیفۂ اوّل کریں۔

جو پاس مہر و محبت یہاں کہیں ملتا تو مول لیتے ہم اپنے مہرباں کے کیلئے

غار میں تنہائی تھی ابوبکر کو اس میں مار ڈالنے کا بہت اچھا موقعہ تھا۔ وہاں کون پوچھتا تھا۔ مار کر کہیں چل دیتے اور ابوبکر کے فرزند ارجمند پسر کلاں یعنی عبداللہ بن ابی بکر غار ثور پر جاسوسی کے لیے مقرر تھے۔ انھیں کے ذریعہ سے دشمنوں کو اطلاع کرا دیتے یا اسماء بنت ابی بکر جو غار پر کھانا لیکر آیا کرتی تھیں۔ اُن کے ذریعہ دشمنوں کو اطلاع کرا دیتے اگر خاندان صدیقی کو کچھ بھی عداوت ہوتی تو یہ راز داری اور جان نثاری کے معاملے نہیں ہو سکتے تھے۔

غرض یہ کہ ابوبکر کا رنجیدہ اور غمگین ہونا اور دشمنوں کو دیکھ کر رونا یہ سب آنحضرت ﷺ کے عشق اور محبت میں تھا۔ اگر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی جان کا ڈر ہوتا تو بجائے حزن کے خوف کا لفظ مستعمل ہوتا۔ اس لیے کہ عربی زبان والے حزن کا لفظ غم کی جگہ اور فراق محبوب یا تمنا کے فوت ہو جانے کے محل میں استعمال اور جہاں جان پر بنی ہو اور ڈر کا مقام ہو وہاں خوف کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر گئے اور پیغمبری ملی تو خداوند تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے عصا کو زمین پر ڈالو۔ ڈالا تو ایک اژدہا بن گیا موسیٰ علیہ السلام اُس سے ڈر کر ایسے بھاگے کہ پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا اس وقت خداوند کریم نے یہ فرمایا۔

يَامُوسٰى لَاتَخَفْ اِنِّىْ لَايَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ [1]	اے موسیٰ! ڈر مت میرے پاس میرے رسول ڈرا نہیں کرتے۔

---

[1] النمل آیت: ۱۰۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس اژدہا سے اپنی جان کا اندیشہ ہوا تب بھاگے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تسلی فرمائی کہ ڈرمت اور یوں نفرمایا لاتحزن یعنی رنجیدہ اور غمگین نہ ہو اور اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے جب ایک قبطی کو مار ڈالا اور فرعون کے لوگوں نے ان کے مار ڈالنے کا ارادہ کیا تو موسیٰ علیہ السلام وہاں سے ڈر کر بھاگے اس موقع پر حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں۔

فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا۔	یعنی نکلے موسیٰ وہاں سے ڈرتے ہوئے۔

اور بیسوں جگہ خوف کا لفظ کلام اللہ میں موجود ہے جہاں کہیں ہے یہی معنی ہیں اور جہاں غم کا مقام ہے وہاں حزن کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جب حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ اندیشہ ہے کہ تم یوسفؑ کے غم میں کہیں مر نہ جاؤ۔ تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ فرمایا۔

اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّىْ وَحُزْنِىْٓ اِلَى اللّٰهِ[1]	یعنی میں اپنی پریشانی اور غم کو خدا سے کہتا ہوں۔

اس مقام پر حزن کا لفظ استعمال فرمایا۔ خوف کا لفظ استعمال نہیں کیا۔

علاوہ ازیں اور بھی بہت سی آیات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حزن کے اور معنی ہیں اور خوف کے اور معنی ہیں۔ کما قال تعالیٰ۔

تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا[2]	(یعنی جب پکے مسلمان مرنے لگتے ہیں) تو فرشتے رحمت کے ان پر اترتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ نہ تم ڈرو اور نہ تم غمگین ہو۔

اگر حزن اور خوف کے ایک معنی ہوتے تو مکرر کہنے کی کیا ضرورت تھی صحیح یہ ہے کہ غم اور چیز ہے اور خوف اور چیز ہے۔ خوف اسے کہتے ہیں کہ کچھ آگے کا اندیشہ ہو اور غم یہ ہے کہ بالفعل دل کی تمنا ہاتھ سے نکل جائے۔

---

[1] یوسف، آیۃ: ۸۶ [2] حم سجدہ آیت: ۳۰

نیز غم، خوشی کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اور خوف اطمینان کے مقابلہ میں مثلاً جب کسی کا کوئی عزیز واقارب مرجاتا ہے تو اس پر جو حالت پیش آتی ہے اس کو غم کہتے ہیں۔ خوف کوئی نہیں کہتا اور اگر کسی کا لڑکا دیوار پر چڑھ جائے اور وہاں سے اندیشہ گر کر مرجانے کا ہو تو اس اندیشہ کو البتہ خوف کہیں گے لیکن کوئی نادان بھی اس کو غم نہ کہے گا۔ البتہ غم عین مصیبت کے وقت جو حالت ہوتی ہے اسے کہتے ہیں اور خوف مصیبت کی آمد آمد کی کیفیت کا نام ہے اور اگر بپاس خاطر شیعہ لَاتَحْزَنْ کو بھی ہم بمعنی لاتخف ہی سمجھیں تب بھی ہمارا چنداں نقصان نہیں اس لیے کہ اس صورت میں یہ معنی ہوں گے۔ اے ابوبکر مت ڈر جو ظاہر ہے کہ ابوبکر جو خوفناک ہوں گے اور ان کو جو اپنی جان کا کھٹکا ہوگا تو اسی سبب سے ہوگا کہ کفار کو ان کے ساتھ دشمنی ہوگی اور وہ دشمنی بھی بوجہ اسلام وایمان ہوگی ورنہ رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینے کی کیا ضرورت تھی اور پھر وہ بھی اس قدر کہ خدا ہمارے ساتھ ہے۔

(۷) اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا

رسول اللہ ﷺ نے لاتحزن کے بعد ابوبکر کو تسلی دی کہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ تم مایوس اور غمگین نہ ہو تحقیق اللہ ہمارے ساتھ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی عنایات ہمارے ساتھ ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ خدا تو مسلمانوں کی طرفداری اور حمایت کرتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُحْسِنِیْنَ۔ اور اس قسم کے کلمات سے اللہ تعالیٰ کا کلام بھرا پڑا ہے۔

چنانچہ خدا تعالیٰ نے اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کے ضمن میں اس بات پر متنبہ کر دیا کہ ابوبکر صدیق سے بھی کفار دشمنی رکھتے تھے۔ ورنہ رسول اللہ ﷺ کیوں ان کو تسلی کرتے اور خدا کیوں ان کے ساتھ ہوتا اور ہمیں تو اتنا ہی بہت ہے کہ خدا ان کے ساتھ اسی طرح ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ نے ایک ہی لفظ یعنی ''معنا'' سے دونوں کی مددگاری کو بیان فرمایا ہے اور دو لفظ نہ فرمائے یعنی

''ان اللہ معی ومعک'' نہ فرمایا جس کے یہ معنی ہوتے کہ خدا میرے ساتھ ہے اور تیرے ساتھ بھی ہے تو اس سے اور بھی واضح ہوگیا کہ جس طرح خدا تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔

نیز ''ان اللہ معنا'' جملہ اسمیہ ہونے کی وجہ سے دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے جس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ کی معیت اور نصرت اور حمایت ہمیشہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہے گی اور اللہ کبھی ان سے جدا نہ ہوگا اور بالفرض اگر یہ جملہ ہمیشگی پر دلالت نہ بھی کرے تو اتنی بات تو شیعوں کو بھی تسلیم کرنی ہی پڑے گی۔ کہ اس وقت خاص میں تو رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں خدا کی ہمراہی اور ہمدمی میں شریک تھے اور یہ ممکن ہی نہیں کہ خداوند ذوالجلال۔ رسول اللہ ﷺ سے کبھی علیحدہ اور جدا ہو اور ان کی ہمراہی اور طرفداری چھوڑ دے۔ سو ''ان اللہ معنا'' میں رسول اللہ ﷺ کا حصہ بھی دائمی ہوگا۔ کیونکہ دونوں کے حصے رلے ملے ہیں۔ بٹے ہوئے نہیں ایک مَعَ کا لفظ دونوں کے لیے معاً استعمال کیا گیا ہے۔ ہر ایک کے لیے جدا جدا مع کا لفظ نہیں استعمال فرمایا یعنی مَعِی ومعک نہیں فرمایا۔

نیز ان اللہ معنا فرمانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی معیت رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نفس ذات کے ساتھ ہے۔ کسی شرط پر موقوف نہیں اس لیے کہ اگر لاتحزن کے بعد اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ فرماتے تو یہ گمان ہوتا کہ اللہ کی معیت اور ہمراہی ایمان کے ساتھ مشروط ہے جب ایمان گیا تو ہمراہی بھی ساتھ گئی اور درصورتیکہ ہمراہی بلا کسی شرط کے ہو تو وہ دائمی ہوگی اس میں زوال کا احتمال نہ ہوگا۔ الحاصل چونکہ اللہ تعالیٰ نے اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا فرمایا اور اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ وغیرہ جو کسی وصف پر دلالت کرے نہیں فرمایا۔ تو معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی معیت اور ہمراہی ابوبکرؓ کی ذات اور جان کے ساتھ ہے کسی وصف کے ساتھ نہیں۔

یہ ہم نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کا خلاصہ ذکر کیا۔ تفصیل اگر درکار ہے تو اصل ''ہدیۃ الشیعہ'' کی مراجعت کریں۔

فرعون نے جب موسیٰ علیہ السلام کا تعاقب کیا تو اس وقت موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب نے یہ کہا۔ اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ یعنی بے شک ہم تو اب پکڑ لیے گئے۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ۔ ہرگز نہیں تحقیق میرا رب میرے ساتھ ہے۔ یقیناً مجھ کو راہ بتلائے گا۔

موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ کی معیت کو صیغۂ مفرد کے ساتھ بیان فرمایا یعنی مَعِی فرمایا یعنی میرے ساتھ ہے اور مَعَنَا صیغہ جمع کے ساتھ نہ فرمایا جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ ہم سب کے ساتھ ہے۔ غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے معیت ربانیہ کو اپنی ذات بابرکات کے ساتھ مخصوص فرمایا۔ اپنے اصحاب کو اس معیت میں سے کوئی حصہ اور بہرہ نہ عطا فرمایا اور نبی اکرم ﷺ نے لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا میں صیغۂ جمع استعمال فرمایا یعنی اے ابوبکر تو غمگین نہ ہو بے شک اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے آپ نے خداوند ذوالجلال کی معیت اور ہمراہی کو اپنی ذات کے ساتھ مخصوص نہ فرمایا بلکہ اپنے محب خاص اور ہمدم بااختصاص کو بھی اس میں شریک فرمایا۔

نیز موسیٰ علیہ السلام کی معیت۔ معیت ربانیہ تھی جس کو موسیٰ علیہ السلام نے اسم رب کے ساتھ ذکر فرمایا۔ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ میرے ساتھ میرا رب (پروردگار) ہے اور نبی اکرم ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت۔ معیت الٰہیہ تھی جس کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اسم اللہ کے ساتھ ذکر فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا یعنی تحقیق اللہ ہمارے ساتھ ہے آپ نے اللہ جل جلالہٗ کی معیت کو اسم جلیل اور اسم اعظم کے ساتھ ذکر فرمایا جو تمام صفات کمال کو جامع ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے خدا کی معیت کو اسم رب کے ساتھ ذکر فرمایا۔ (ہذا توضیح وتشریح ما قالہ العارف اللبان قدس اللہ روحہ ونفعنا بعلومہ وبرکاتہ)۔ آمین ثم آمین۔ (کذا فی المواہب)

(۸)۔ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ

یعنی اللہ نے آپ پر اپنی تسکین نازل فرمائی اور پھر آپ کی برکت سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس سے حصہ عطا فرمایا۔ جیسا کہ بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم علیہ

الصلوٰۃ والتسلیم نے ابوبکر کیلئے دُعا فرمائی تو اللہ کی طرف سے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سکینت نازل ہوئی۔(خصائص الکبریٰ ص۱۸۵ج۱)

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سکینت سے طمانیت مراد ہے علامہؒ ہروی فرماتے ہیں سکینت ایک خاص شے کا نام ہے جو تین چیزوں کی جامع ہوتی ہے۔(۱)نور اور (۲) قوت اور (۳) روح، نور سے قلب روشن اور منور ہو جاتا ہے۔ دلائل ایمان اور حقائق ایقان اس پر منکشف ہو جاتے ہیں حق اور باطل، ہدایت اور ضلالت، شک اور یقین کا فرق اس پر واضح ہو جاتا ہے۔

اور قوت سے قلب میں عزم اور استقلال پیدا ہوتا ہے حق جل جلالہ کی اطاعت اور بندگی کے وقت اس کو خاص نشاط حاصل ہونے لگتا ہے اور اسی قوت کی وجہ سے قلب۔ نفس کے تمام دواعی اور مقتضیات کے مقابلہ میں غالب اور کامیاب رہتا ہے اور روح سے قلب میں حیات اور زندگی پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے قلب خواب غفلت سے بیدار ہو کر خدا کی راہ میں چست اور چالاک ہو جاتا ہے۔

بخاری اور مسلم میں ہے کہ غزوۂ خندق میں عبداللہ بن رواحہ کا یہ رجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مُبارک پر تھا۔

اللّٰھم لولا انتَ ما اھتدینَا　　ولا تصدّقنا ولا صلّینا

اے اللہ تیری توفیق نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے

فانزلن سکینۃ علینا

پس تو اپنی خاص تسکین اور طمانیت ہم پر نازل فرما۔ (تفصیل کے لیے مدارج السالکین ص۲۷۸ج۲ کی مراجعت کریں۔)

مشہور قول یہ ہے کہ علیہ کی ضمیر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف راجع ہے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ علیہ کی ضمیر "صاحب" یعنی ابوبکر کی طرف راجع ہے اس لیے کہ لفظ صاحبہ قریب ہے اور ضمیر قریب کی طرف راجع کرنا زیادہ بہتر ہے نیز

فانزل کی فاء بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ لاتحزن پر تفریع ہے اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جب ابوبکر صدیق حزین و غمگین ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی سکینت وطمانیت نازل کی تا کہ ان کے قلب کو سکون ہو جائے اور اُن کا غم اور پریشانی دور ہو جائے[1]

اور امام رازی نے بھی تفسیر کبیر میں اسی کو اختیار کیا ہے کہ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ میں علیہ کی ضمیر ابوبکر کی طرف راجع ہو۔ علامہ سہیلی فرماتے ہیں کہ اکثر اہل تفسیر کے نزدیک علیہ کی ضمیر ابوبکر کی طرف راجع ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو پہلے ہی سے سکون اور اطمینان حاصل تھا اور بعض علماء کے نزدیک علیہ کی ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے اور ابوبکر صدیق بہ تبعیت اس میں داخل ہیں اور مصحف حفصہ میں اس طرح ہے۔ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِمَا علیہ کے بجائے علیهما بضمیر تثنیہ وارد ہوا ہے۔

(۹) وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا

اور قوت دی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے لشکروں سے جن کو تم نہیں دیکھتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ نے غار ثور پر فرشتوں کا پہرہ لگا دیا جس کی وجہ سے مشرکین کے دلوں پر ایسا رعب چھایا کہ غار کے اندر جھانکنے کی ہمت نہ ہوئی جیسے اصحاب کہف کے غار پر من جانب اللہ ایک خاص رعب ہے جس کی وجہ سے کوئی شخص اس غار کے اندر جھانک کر نہیں دیکھ سکتا کما قال تعالیٰ لَوِاطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا۔

چنانچہ معجم طبرانی میں اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب قریش آپ کو تلاش کرتے کرتے غار تک پہنچے تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ شخص جو بالکل غار کے سامنے کھڑا ہے ہم کو ضرور دیکھ لے گا۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ فرشتے ہم کو اپنے پروں سے چھپائے ہوئے ہیں اتنے میں وہ شخص غار کے سامنے بیٹھ پیشاب کرنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر سے فرمایا اگر یہ شخص ہم کو دیکھتا

---

[1] روح المعانی ج:۱۰ ص:۷۷۔

ہوتا تو ہمارے سامنے بیٹھ کر پیشاب نہ کرتا اور اسی طرح مسند ابی یعلی میں حضرت عائشہ نے حضرۃ ابوبکر سے روایت کیا ہے۔

بعض علماء نے وأیدہ کی ضمیر بھی ابوبکر کی طرف راجع کی ہے جس کی تائید انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ کہا۔

یا ابابکر ان اللہ انزل سکینتہ علیک وایدک الخ [۲]	اے ابو بکر اللہ نے تجھ پر اپنی سکینت اور طمانیت نازل کی اور تجھ کو قوت اور مدد پہنچائی۔

(۱۰) وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

اور اللہ نے کافروں کی بات کو نیچا کیا اور ان کی تدبیر کو ناکام کیا کہ غار کے کنارہ سے دشمنوں کو بے نیل مرام واپس کیا اور تائید غیبی سے آپ کی حفاظت فرمائی۔ فرشتوں کا پہرہ غار پر مقرر کردیا اور ایک مکڑی کے جالے کو جسے اوھن البیوت بتلایا ہے۔ اس کو آہنی قلعہ سے بڑھ کر حفاظتی ذریعہ بنادیا اور اللہ کی بات ہمیشہ اونچی اور بلند رہتی ہے۔ اللہ نے اپنے نبی کو مع اس کے یار غار کے صحیح وسالم مدینہ منورہ پہنچادیا اور راستہ میں جو سراقہ گرفتاری کے ارادہ سے ملا وہ خود ہی آپ کے دام اطاعت کا اسیر اور گرفتار بلکہ ہمیشہ کے لیے غلام بن گیا اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے اس کی قدرت اور حکمت سب پر غالب رہتی ہے اور یہ سب کچھ اس کی تائید غیبی اور معیت اور نزول ملائکہ کا جو سکینت لے کر آئے تھے اوس کا اثر تھا۔

اور اہل فہم پر یہ مخفی نہیں کہ جس یار غار اور محب جان نثار کو پیغمبر خدا کی رفاقت میں اللہ تعالیٰ شانہ کی معیت اور سکینت اور طمانیت اور تائید ملائکہ سے حصہ ملا ہو اس کا منافق اور مرتد ہونا ناممکن اور محال ہے۔

---

[۱] روح المعانی، ج:۱۰، ص:۸۸ [۲] ایضاً۔

پس جب خدا نے سفر ہجرت میں بلا سبب ظاہری کے اپنے نبی کی حفاظت کی اور دوسرے موقعوں پر بھی اپنے نبی کی حفاظت کرسکتا ہے کہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ خدا اپنے نبی اور نبی کے یار غار کی حفاظت کے لیے کسی کی نصرت و اعانت کا محتاج ہے۔

منت منہ کی خدمت سلطان ہمی کنی　　منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

خلاصۂ کلام

یہ کہ حق تعالیٰ نے ان آیات میں سفر ہجرت میں ابوبکر کی مرافقت کا قصہ جس شان سے بیان کیا وہ اُن کی فضیلت اور ان کی جان نثاری کی سند اور شہادت ہے جس کا متعصب دشمنوں نے بھی اقرار کیا ہے چنانچہ حملۂ حیدری کے چند اشعار ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں۔

چنین گفت راوی کہ سالار دین　　چو سالم بحفظ جہاں آفرین
زنزدیک آں قوم پر مکر رفت　　بسوئے سرائے ابوبکر رفت
پئے ہجرت او نیز آمادہ بود　　کہ سابق رسولش خبر دادہ بود
نبی بردرِ خانہ اش چوں رسید　　بگوشش ندائے سفر در کشید
چو بوبکر زاں حال آگاہ شد　　زخانہ بروں رفت وہمراہ شد
گرفتند پس راہ یثرب بہ پیش　　نبی کند نعلین از پائے خویش
بسر پنجہ آں راہ رفتن گرفت　　پئے خود زدشمن نہفتن گرفت
چو رفتند چندے زدامان دشت　　قدوم فلک سائے مجروح گشت
ابوبکر آنگہ بدوشش گرفت　　ولے زیں حدیث است جائے شگفت
کہ درکس چنان قوت آید پدید　　کہ بار نبوت تواند کشید
برفتند القصہ چندے دگر　　چو گرد دید پیدا نشانِ سحر
بجستند جائیکہ باشد پناہ　　زچشم کسان در یکسو زراہ

بدید ندغارے دراں تیرہ شب — کہ خواندے عرب غارثورش لقب
گرفتند درجوف آن غارجائے — ولے پیش بنہادبوبکر پائے
بہرجاکہ سوراخ یا رخنہ دید — قبارا بدرید وآن رخنہ چید
بدینگونہ تاشد تمام آں قبا — یکے رخنہ نگرفتہ ماندازقضا
بران رخنہ گویندآں یارغار — کف پائے خودرانمود استوار
نیامد جزاوایں شرف ازکسے — کہ دوراز خردمی نماید بسے
بغاراندروں درشب تیرہ فام — چسان [1] دید سوراخہارا تمام
دراں تیرہ شب یک بیک چون شمرد — یکے کامدافزوں بروپا فشرد
نیایدچنین کا رے ازغیراو — بدینسان چوپر داخت ازرفت درو

درآمد رسول خدا ہم بغار
نشستند یک جابہم ہردو یار

اس روایت سے یہ ثابت ہوا کہ آں حضرت ﷺ نے اس سفر پر خطر میں ابوبکرؓ کو اپنے ہمراہ لیا اوّلاً خود ابوبکر صدیق کے گھر گئے اور وہاں سے دونوں ساتھ روانہ ہوئے اور ابوبکر نے پیغمبر خدا کو اپنے دوش پر چڑھایا اور اول خود غار میں اترے اور اس کو صاف کیا اور اپنے قباء کو چاک کر کے اس کے سوراخوں کو بند کیا اور ایک سوراخ جو باقی رہ گیا تھا اُس کو اپنے کف پا سے بند کیا۔ یہ تمام امور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صدق اور اخلاص اور عشق اور محبت کے دلائل اور براہین ہیں نہ کہ نفاق اور عداوت کے اگر حضرات شیعہ کے نزدیک یہ نفاق کی نشانیاں ہیں تو معلوم نہیں کہ پھر عشق اور محبت کی کیا علامتیں ہیں پھر یہ کہ تین دن آپ غار میں رہے اور کھانا ابوبکر صدیق کے گھر سے آتا رہا۔ پھر تیسرے دن ابوبکر صدیق کے بیٹے دو اونٹنیاں لیکر غار پر حاضر ہوئے ایک پر آپ ﷺ سوار ہوئے

[1] شاعر کا یہ اعتراض کہ اندھیری رات میں تمام سوراخوں کو آنکھ سے کیسے دیکھا۔ صحیح نہیں سوراخ کو آنکھ سے دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ ہاتھ سے ٹٹول کر بھی سوراخ معلوم ہوسکتا ہے

اور اپنے ساتھ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سوار کیا اور دوسری اونٹنی پر عامر شتربان سوار ہوا جو ابوبکر صدیق کا آزاد کردہ غلام تھا۔ اس شان سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے چنانچہ صاحب حملۂ حیدری نے بھی اس کو بیان کیا ہے۔

بغاراندروں تاسہ روزوسہ شب	بسر برد آن شہ بفر مان رب
شدے پور بوبکر ہنگام شام	رساندے درآں غارآب وطعام
نمودے ہم ازحال اصحاب شر	حبیب خدائے جہاں راخبر
کہ ہستند درجستجو آں گروہ	شب وروزدرشہر وصحراوکوہ
دگرراعیے بود عامر بنام	کہ کردے شبانی بہ بیت الحرام
کہ اونیزاسلام آوردہ بود	زابریق توفیق می خوردہ بود
شدے شب بہ نزد بشیر ونذیر	ببردے برش ہدیہ جامے زشیر
جزیشان دگراز صدیق وعدو	نبدہیچکس واقف ازرازاو
نبی گفت پس پور بوبکر را	کہ اے چوں پدراہل صدق وصفا
دوجمازہ بایدکنون راہ وار	کہ مارا رساند بہ یثرب دیار
برفت ازبرش پور بوبکر زود	بدنبال کارے کہ فرمودہ بود
بگفتش فلاں روزوقت سحر	دو جمازہ بہر پیمبر ببر
ازدجملہ داراین سخن چوں شنود	دو جمازہ دردم مہیّا نمود
تہی شدازان قوم آن کوہ ودشت	رسول خدا عازِم راہ گشت
بصبح چہارم برآمد زغار	دوجمازہ آوردہ بدجملہ دار
نشست ازبریک شترشاہ دین	ابو بکر راکردہ باخود قرین
برآمدبرآن دیگرے حملہ وار	بہمراہ اوگشت عامر سوار

رجوع بقصۂ غار

تین روز تک آپ اسی غار میں چھپے رہے عبداللہ بن ابی بکر[1] تمام دن مکہ میں رہتے اور مشرکین کی خبریں معلوم کرتے اور شب کو آ کر تمام حالات سے آگاہ کرتے اور سویرے ہی وہاں سے نکل جاتے اور عامر بن فہیرہ[2] (ابوبکر صدیق کے آزاد کردہ غلام) عشاء کے بعد جب اندھیرا ہو جاتا تو بکریاں لے کر وہاں حاضر ہو جاتے تا کہ بقدر حاجت دودھ پی لیں۔ اس طرح تین راتیں غار کے اندر گزاریں۔ تین روز کے بعد عبداللہ بن اریقط دوئلی[3] (جو رہبری کے لیے اجرت پر مقرر کیا گیا تھا) حسب وعدہ صبح کے وقت دو اونٹنیاں لے کر غار پر حاضر ہوا۔ متعارف اور مشہور راستہ چھوڑ کر غیر معروف راستہ سے ساحل کی طرف سے آپ کو لے کر چلا۔ (بخاری شریف باب الہجرۃ)

ایک اونٹنی پر نبی کریم ﷺ سوار ہوئے اور دوسری پر ابوبکر سوار ہوئے اور اپنے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ کو خدمت کے لیے ساتھ لیا اور اپنے پیچھے بٹھالیا۔ اور عبداللہ بن اریقط[4] اپنے اونٹ پر بیٹھ کر راستہ دکھلانے کے لیے آگے آگے چلا۔[5]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ ایک اونٹنی پر آں حضرت ﷺ سوار ہوئے اور اپنے پیچھے ابوبکر کو سوار کیا اور دوسری اونٹنی پر عبداللہ بن ابی بکر اور عامر بن فہیرہ سوار ہوئے[6] مگر صحیح پہلا ہی قول ہے اس لیے کہ حافظ عسقلانی نے فتح الباری[7] میں اس امر کی تصریح کی ہے کہ اس

---

[1] عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدیق اکبر کے فرزند ارجمند تھے مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ اپنے باپ کے زمانہ خلافت میں اپنے باپ سے پہلے وفات پائی۔ اصابہ ص ۲۸۳ ج ۲

[2] عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سابقین اولین میں سے ہیں طفیل بن عبداللہ کے غلام تھے جوان کو سخت تکلیفیں دیتا تھا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عامر کو طفیل سے خرید کر آزاد کیا۔ غزوۂ بدر اور احد میں شریک ہوئے اور غزوۂ بیر معونہ میں شہید ہوئے اور ان کی لاش آسمان پر اٹھائی گئی اور پھر زمین پر رکھ دی گئی (اصابہ وغیرہ)

[3] حافظ عبدالغنی مقدسی اور علامہ سہیلی اور علامہ نووی فرماتے ہیں کہ ہم کو کسی سند صحیح سے عبداللہ بن اریقط کا اسلام معلوم نہیں ہوا اور یہی صحیح ہے البتہ واقدی نے ان کا مسلمان ہونا بیان کیا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم زرقانی ص ۳۳۹ ج ا و اصابہ ص ۲۷۴ ج ۲

[4] زرقانی ج: ا، ص: ۳۴۰

[5] مدارج النبوت ج: ص: ۸۵

[6] مدارج النبوت ج: ۲، ص: ۵۸

[7] قولہ (ای البخاری) فاتا ھما براحلتیھما صبح ثلاث۔ زاد مسلم بن عقبۃ عن ابن شہاب حتی اذا ھدأت عنھما الاصوات جاء صاحبھما ببعیر یھما فانطلقا معھما بعامر بن فہیرۃ یخدمھما ویعینھما یردفہ ابوبکر ویعقبہ لیس معھما غیرہ۔ فتح الباری ص ۱۸۶ ج ۷ باب الہجرۃ اور دیکھو زرقانی ص ۳۴۰ ج ۱

سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر کے ساتھ سوائے عامر بن فہیرہ کے کوئی اور رفیق طریق نہ تھا اور تیسرے اونٹ پر عبداللہ ابن اریقط سوار ہوا اور عام شاہراہ کو چھوڑ کر ایک غیر مشہور راستہ اختیار کیا۔

صدیق اکبر جب اسلام لائے تو اُس وقت اُن کے پاس چالیس ہزار درہم تھے خدا کی راہ میں اور غلاموں کو خرید خرید کر خدا کے لیے آزاد کرنے میں سب روپیہ خرچ ہو چکا تھا۔ جس میں سے صرف پانچ ہزار باقی تھا وہ ہجرت کے وقت اپنے ساتھ لے لیا۔ مدینہ منورہ آ کر مسجد نبوی کے لیے زمین خریدی وغیرہ وغیرہ سب ختم ہو گیا۔ عائشہؓ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ابوبکر جب مرے ہیں تو ایک دینار اور ایک درہم بھی باقی نہیں چھوڑا۔

عبداللہ بن اریقط آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر کو ہمراہ لیے ہوئے اسفل مکہ سے نکل کر ساحل کی طرف جھکا اور اسفل عسفان سے گذرتا ہوا منزل بمنزل ہوتا ہُوا قباء میں داخل ہوا

(فائدہ): آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر سے نکل کر ابوبکر کے گھر تشریف لے گئے اور ان کو اپنے ہمراہ لے کر غارِ ثور میں جا چھپے تو کفار نے آ کر آپ کے مکان کا محاصرہ کیا جب وہاں آپ کو نہ پایا تو آپ کی تلاش میں مشغول ہو گئے اور ہر طرف آدمی دوڑائے اور تلاش کرتے ہوئے غارِ ثور کے منہ پر پہنچ گئے مگر خدا نے تارِ عنکبوت سے وہ کام لیا کہ جو صد ہا زرہ آہنی سے بھی نہیں چل سکتا تین روز تک آپ غار میں چھپے رہے اور کفار تین دن تک تلاش میں لگے رہے۔ جب کفار نا امید ہو گئے اور تھک کر بیٹھ گئے اور باوجود اس اشتہار اور اعلان کے کہ جو شخص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا ابوبکر کو پکڑ کر لائے گا، اُس کو سو اونٹ انعام ملے گا پھر بھی کوئی کامیابی نہ ہوئی تو تلاش سست پڑ گئی اسوقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر غار سے نکل کر براہ ساحل مدینہ منورہ روانہ ہوئے[1] لوگ ابوبکر سے خوب واقف

---

[1] حافظ ابن کثیر کہتے ہیں وقدلجا الی الغار فاقا مافیه ثلاثة ایام لیسکن الطلب عنهما۔ وذالك لان المشركين حين فقد وهما كما تقدم ذهبوا فی طلبهما كل مذهب من سائر الجهات وجعلوا لمن ردهما اواحد هما مائة من الابل واقتصوا اثارهما حتى اختلط عليهم وكان الذی يقتص الاثر لقريش سراقة بن مالك بن جعشم كما تقدم۔ البداية والنهاية ص ۱۸۲ ج ۳ اور سیرۃ ابن ہشام کے الفاظ یہ ہیں حتى اذا مضت الثلاث وسكن عنهما الناس اتاهما صاحبهما استاجراه ببعيرهما وبعيرله سيرة ابن هشام ص ۱۷۲ ج ۱ اور ابن شہاب کی روایت میں یہ لفظ ہیں: حتى اذا هدأت عنهما الاصوات جاء صاحبهما ببعيريهما فانطلقا معهما بعامر بن فهيرة يخدمهما ويعينهما يردفه ابوبكر و يعقبه ليس معهما غيره۔ فتح الباری ص ۱۸۶ ج ۷

تھے رسول اللہ ﷺ سے اچھی طرح واقف نہ تھے۔ راستہ میں جو شخص ملتا وہ ابوبکرؓ سے آپ کی بابت دریافت کرتا کہ یہ کون ہیں جو تمہارے سامنے بیٹھے ہیں ابوبکر فرماتے ہیں ہذا الرجل یھدینی السبیل یعنی یہ شخص مجھ کو راستہ بتلاتا ہے اور مراد یہ لیتے کہ آخرت اور خیر کا راستہ بتلاتے ہیں (بخاری شریف ص ۵۵۶ ج ۱)

تاریخ روانگی

بیعت عقبہ کے تقریباً تین ماہ بعد یکم ربیع الاوّل کو آپ مکہ سے روانہ ہوئے حاکم فرماتے ہیں کہ احادیث متواتر سے یہ ثابت ہے کہ آپ دوشنبہ کے روز مکہ سے نکلے اور دو شنبہ ہی کو مدینہ منورہ پہنچ گئے لیکن محمد بن موسیٰ خوارزمی فرماتے ہیں کہ آپ مکہ سے پنجشنبہ کو نکلے حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ مکہ سے آپ بروز پنجشنبہ نکلے۔ تین روز غار میں رہے دوشنبہ کو غار سے نکل کر مدینہ روانہ ہوئے [1]

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کی روانگی کے بعد کچھ لوگ میرے باپ کے گھر پر آئے جن میں ابوجہل بھی تھا پوچھا این ابوک تیرا باپ (ابوبکر) کہاں ہے میں نے کہا واللہ مجھ کو معلوم نہیں۔ ابوجہل نے اس زور سے میرے طمانچہ مارا جس سے کان کی بالی گر پڑی [2]

قصہ ام معبد رضی اللہ عنہا

غار سے نکل کر آپ نے مدینہ منورہ کا راستہ لیا۔ راستہ میں ام معبد کے خیمہ پر گذر ہوا۔ ام معبد ایک نہایت شریف اور مہمان نواز خاتون تھیں۔ خیمہ کے دالان میں بیٹھی رہتی تھیں۔ قافلۂ نبوی کے لوگوں نے ام معبد سے گوشت اور کھجور خریدنے کی غرض سے کچھ دریافت کیا مگر کچھ نہ پایا رسول اللہ ﷺ کی نظر جو خیمہ پر پڑی تو خیمہ کی ایک جانب میں

[1] زرقانی ج ۱ ص: ۳۲۵   [2] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص: ۱۷۳

ایک بکری دیکھی۔ دریافت فرمایا یہ کیسی بکری ہے ام معبد نے کہا یہ بکری لاغر اور دبلی ہونے کی وجہ سے بکریوں کے گلہ کے ساتھ جنگل نہیں جا سکی۔ آپ نے فرمایا اس میں کچھ دودھ ہے۔ ام معبد نے کہا اس میں کہاں سے دودھ آیا۔ آپ نے فرمایا کیا مجھ کو اس کا دودھ دوہنے کی اجازت ہے۔ ام معبد نے کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اگر اس میں دودھ ہو تو آپ ضرور دوہ لیں۔ آپ ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر اس کے تھن پر دستِ مبارک رکھا۔ تھن دودھ سے بھر گئے اور آپ نے دُودھ دُوھنا شروع کیا۔ ایک بڑا برتن جس سے آٹھ دس آدمی سیراب ہو جائیں۔ دودھ سے بھر گیا۔ اوّل آپ نے ام معبد کو دُودھ پلایا۔ یہاں تک کہ ام معبد سیراب ہو گئیں۔ بعد ازاں آپ نے اپنے ساتھیوں کو پلایا اور اخیر میں آپ ﷺ نے پیا۔ اس کے بعد آپ نے پھر دودھ دوہا یہاں تک کہ وہ بڑا برتن بھر گیا آپ نے وہ برتن ام معبد کو عطا کیا اور ام معبد کو بیعت کر کے روانہ ہوئے جب شام ہوئی اور ام معبد کے شوہر ابو معبد بکریاں چرا کر جنگل سے واپس آئے دیکھا کہ ایک بڑا برتن دُودھ سے بھرا رکھا ہے۔ بہت تعجب سے دریافت کیا اے ام معبد یہ دودھ کہاں سے آیا اس بکری میں تو کہیں دُودھ کا نام نہیں تھا۔ ام معبد نے کہا کہ آج یہاں سے ایک مردِ مبارک گذرا خدا کی قسم یہ سب اسی کی برکت ہے، اور تمام واقعہ بیان کیا۔ ابو معبد نے کہا ذرا ان کا کچھ حال تو بیان کرو۔ ام معبد نے آپ ﷺ کا حلیۂ مبارک اور خداداد عظمت وجلال ہیبت ووقار کا نقشہ کھینچ دیا جو بالتفصیل مستدرک میں مذکور ہے۔

ابو معبد نے کہا میں سمجھ گیا واللہ یہ وہی قریش والے آدمی ہیں۔ میں بھی ضرور ان کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ ادھر تو یہ واقعہ پیش آیا اور ادھر ہاتف غیبی نے مکہ میں یہ اشعار پڑھے آواز تو سُنائی دیتی تھی مگر اشعار کا پڑھنے والا نظر نہیں آتا تھا وہ اشعار یہ ہیں۔

جَزَی اللّٰهُ رَبُّ النَّاسِ خَیْرَ جَزَآئِهٖ   رَفِیْقَیْنِ حَلَّا خَیْمَتَیْ اُمِّ مَعْبَدٖ

اللہ تعالیٰ ان دونوں رفیقوں کو جزائے خیر دے جو ام معبد کے خیمہ میں اترے۔

هُمَا انَزَلَاهَا بِالْهُدیٰ فَاهْتَدَتْ بِهٖ ۔۔۔ فَقَدْ فَازَمَنْ اَمْسیٰ رَفِیْقَ مُحَمَّدٖ

دونوں ہدایت کو لے کر اترے پس ام معبد نے ہدایت قبول کی اور مراد کو پہنچا جو شخص محمد ﷺ کا اس سفر میں رفیق رہا یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ۔

لِیَهْن اَبَا بکر سَعَادَةُ جَدِّهٖ ۔۔۔ بِصُحْبَتِهٖ مَنْ یُسْعِدِاللّٰهُ یَسْعَدٖ

ابوبکر کو آپ کی صحبت اور رفاقت کی وجہ سے جو سعادت اور خوش نصیبی حاصل ہوئی وہ ابوبکر کو مبارک ہو اور جس کو خدا خوش نصیب کرے وہ ضرور خوش نصیب ہوگا۔

لِیَهن بنی کعب مقام فتاتهم ۔۔۔ ومقعدها للموسنین بمرصد

مبارک ہو بنی کعب کو ان کی عورت کا مقام اور اہل ایمان کے لیے اُس کے ٹھکانہ کا کام آنا

سَلوااُخْتَکُم عَنْ شَاتِها وَاِنَائِهَا ۔۔۔ فَاِنَّکُمْ اِنْ تَسْأَلوا الشاة تَشْهَدٖ

تم اپنی بہن سے اسکی بکری اور برتن کا حال تو دریافت کرو اگر تم بکری سے بھی دریافت کروگے تو بکری بھی گواہی دیگی۔

دعاها بشاة حائل فتحلبت ۔۔۔ علیه صریحاضرة الشاة مزبد

آپ نے اس سے ایک بکری مانگی پس اس نے اس قدر دودھ دیا کہ کف سے بھرا ہوا تھا

فَغَادَرَهَا رَهْنَالدیها لحالب ۔۔۔ یرددها فی مصدرثم مَوْرِد

پھر وہ بکری آپ اسی کے پاس چھوڑ آئے جو ہر آنے اور جانیوالے کے لیے دودھ نچوڑتی تھی۔

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جب ہاتف کے یہ اشعار پہنچے تو حسان نے اس کے جواب میں یہ اشعار فرمائے۔

---

[1] ابن ہشام کی روایت میں یہ مصرع اس طرح ہے۔ ہما نزلا بالبرثم تروحا سیرۃ ابن ہشام ص ۱۷۲ ج ۱ و البدایۃ والنہایۃ ص ۱۸۹ ج ۳ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ام معبد اور ابو معبد دونوں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ آپکی خدمت میں حاضر ہوئے۔

پھر وہ بکری آپ اسی کے پاس چھوڑ آئے جو ہر آنے اور جانیوالے کے لیے دودھ نچوڑتی تھی۔

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جب ہاتف کے یہ اشعار پہنچے تو حسان نے اس کے جواب میں یہ اشعار فرمائے۔

لَقَدْ خابَ قومٌ غابَ عَنْہُمْ نبیُّہم   وَقُدِّسَ مَن یَسْری الیہ ویغتدی

البتہ خائب وخاسر ہوئے وہ لوگ جن میں سے انکا پیغمبر چلا گیا یعنی قریش۔ اور پاک اور مقدس ہوگئے وہ لوگ جو صبح وشام اس نبی کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ یعنی انصار۔

تَرَحَّلَ عَنْ قَوْمٍ فَضَلَّتْ عُقُوْلُہُمْ   وَحَلَّ علی قومٍ بنُوْرٍ مُجَدَّدٍ

اس نبی نے ایک قوم سے کوچ کیا ان کی عقلیں تو ضائع ہوگئیں اور ایک دوسری قوم پر خدا کا ایک نیا نور لے کر اُترے۔

ھَدَاہُمْ بہ بعدالضلالۃ رَبُّھُمْ   فَاَرْشَدَھُمْ مَنْ یَتْبَعِ الحقَّ یَرْشُدِ

خدا نے گمراہی کے بعد اس نور سے ان کی رہنمائی کی اور جو حق کا اتباع کرے گا وہ ہدایت پائے گا۔

وھل یستوی ضلال قوم تَسَفَّھُوْا   عَـمًی وھداۃٌ یھتدون بمھتدِ

اور کیا گمراہ اور ہدایت پانے والے برابر ہوسکتے ہیں۔

وقدنَزَلَتْ منہ عَلٰی اَھْلَ یثرب   رکابُ ھُدیً حلت علیھم باسعدِ[1]

اور اہل یثرب (مدینہ) پر ہدایت کا قافلہ سعادتوں اور برکتوں کو لے کر اترا ہے۔

نبیٌّ یری مالا یر الناسُ حَوْلَہٗ   ویتلو کتابَ اللہ فی کُلِّ مَشْھَدِ

---

[1] جمع سعد الیمن ضد النحس

وہ نبی ہیں ان کو وہ چیزیں نظر آتی ہیں کہ جوان کے پاس بیٹھنے والوں کو نظر نہیں آتیں اور وہ ہر مجلس میں لوگوں کے سامنے اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔

وان قَالَ فِے یومٍ فتصدیقہا فی الیوم
مقالۃ غائب اوفی ضُحَی الْغَدِ

اور اگر وہ کوئی غیب کی خبر سناتے ہیں تو آج ہی یا کل صبح تک اس کا صدق اور اس کی سچائی ظاہر ہوجاتی ہے۔

یہ روایت متعدد صحابۂ کرام سے مختلف سندوں کے ساتھ مروی ہے۔ ام معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ ابو معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یعنی ام معبد کے شوہر) حبیش بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی ام معبد کے بھائی۔ ابوسلیط بدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ہشام بن حبیش بن خالد۔ اوّل الذکر چار اصحاب کا صحابی ہونا مسلم اور متفق علیہ ہے۔ ہشام بن حبیش بن خالد کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ ابن حبان نے ہشام کو صحابہ میں ذکر کیا ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ ہشام نے حضرت عمر سے سنا ہے (اصابہ ج ۳ ص: ۶۰۳)

(۱) ام معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کو ابن سکن نے ذکر کیا ہے۔ (اصابۂ ترجمۂ ام معبد باب الکنی)

(۲) اور ابو معبد رضی اللہ عنہ کی روایت کو امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے۔ (اصابۂ ترجمۂ ابو معبد باب الکنی) اور ابن سعد نے طبقات ص ۱۵۵ ج ۱ میں اور حاکم نے مستدرک ص ۱۱ ج ۳ میں ذکر کیا ہے۔

(۳) حبیش بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کو بغوی۔ ابن شاہین۔ ابن السکن۔ طبرانی۔ ابن مندہ وغیرہم نے ذکر کیا ہے [۱]

حبیش رضی اللہ عنہ کی روایت کو حافظ ابن سید الناس نے بھی عیون الاثر میں اپنی سند

---

[۱] الاصابہ، ج:۱، ص:۳۱ تہذیب الکمال، ج:۱، ص:۴۴

کے ساتھ ذکر کیا ہے نیز حبیش بن خالد کی روایت کو حافظ مزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفصیل کے ساتھ تہذیب الکمال میں اپنی سند سے روایت کیا ہے[1]

(۴) ابوسلیط بدری رضی اللہ عنہ کی روایت عیون الاثر میں مذکور ہے۔

(۵) ہشام بن حبیش کی روایت مستدرک میں مذکور ہے۔ حاکم اس روایت کی نسبت فرماتے ہیں (ہذا حدیث صحیح الاسناد) بعدازاں حاکم نے اس حدیث کا اور بھی مختلف طریقوں سے مروی ہونا بیان کیا ہے۔ (مستدرک ص ۱۰ ج ۳) وہ طریقے گو فرداً فرداً شرط صحیح پر نہ ہوں لیکن مجموعہ مل کر مفید وثاقت وطمانیت ہو سکتا ہے۔

حافظ ابن عبدالبر استیعاب میں فرماتے ہیں کہ ام معبد کے قصہ کو اسی بسط وشرح کے ساتھ متعدد صحابہ سے ایک کثیر جماعت نے روایت کیا ہے۔

علاوہ ازیں اسی واقعہ کے قریب قریب بلکہ بعینہ صدیق اکبرؓ سے مروی ہے جس کو حاکم نے اکلیل میں اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ذکر کیا ہے اور حافظ ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ ص ۱۹۱ ج ۳ میں ابوبکر صدیق کی روایت کو نقل کر کے یہ کہا ہے کہ یہ اسناد حسن ہے فرق اتنا ہے کہ اس روایت میں ام معبد کا نام مذکور نہیں صرف ایک عورت کا واقعہ بیان کیا ہے جو بعینہ ام معبد کے ساتھ پیش آیا محمد بن اسحٰق اور امام بیہقی کا میلان اس طرف ہے کہ یہ واقعہ بعینہ ام معبد کا واقعہ ہے اور حافظ مغلطائی کا میلان اس طرف ہے کہ یہ واقعہ ام معبد کے واقعہ کے علاوہ ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم[2]

(۶) نیز یہ واقعہ قیس بن النعمان سے مختصراً مروی ہے حافظ ہیثمی فرماتے ہیں رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد[3])

فائدۂ علمیہ

انہی ابو معبد خزاعی سے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مسند میں حدیث قہقہہ کی روایت کی ہے وہ یہ ہے۔

[1] (تہذیب الکمال نوادر عالم میں سے ہے اس کا قلمی نسخہ کتاب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں ہے، اسی سے میں نے استفادہ کیا۔ مؤلف) [2] البدایۃ والنہایۃ ج:۳، ص:۱۹۰۔۱۹۶ [3] زرقانی۔ ج:۱، ص:۳۴۹

ابوحنیفة عن منصور بن زاذان الواسطي عن الحسن عن معبدبن ابی معبد الخزاعی عنه صلی الله علیه وسلم قال بینما هوفی الصلوة اذاقبل اعمی یریدالصلوة فوقع فی زبیة فاستضحك القوم فقهقهوافلما انصرف صلی الله علیه وسلم قال من کان منکم قهقه فلیعدالوضوء والصلوة (فتح القدیر ص۳۵ ج۱ کتاب الطهارة۔ نواقض الوضوء)

قصہ سراقہ بن مالک

قریش نے یہ اشتہار دیا تھا کہ جو شخص محمد (ﷺ) یا ابوبکر صدیق کو قتل کردے یا گرفتار کرکے لائے ہر ایک کے معاوضہ میں علیحدہ علیحدہ سو اونٹ انعام اس کو دیا جائے گا۔ (مستدرک ص۶ ج۳) سراقہ بن مالک بن جعشم راوی ہیں کہ میں اپنی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے آکر یہ بیان کیا کہ میں نے چند اشخاص کو ساحل کے راستہ سے جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ میرا گمان ہے کہ وہ محمد ﷺ اور ان کے رفقاء ہیں۔

سراقہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں سمجھ لیا کہ بے شک یہ وہی ہیں لیکن اس کو یہ کہکر ٹلا دیا کہ یہ محمد ﷺ اور ان کے رفقاء نہیں بلکہ اور لوگ ہوں گے مبادا یہ شخص یا کوئی اور سن کر قریش کا انعام نہ حاصل کرلے۔ اس کے تھوڑی دیر بعد میں مجلس سے اٹھا اور باندی سے کہا کہ گھوڑے کو فلاں ٹیلے کے نیچے لے جاکر کھڑا کرے اور اپنا نیزہ لے کر گھر کی پشت کی طرف سے نکلا اور گھوڑے پر سوار ہوکر سرپٹ دوڑاتا ہوا چلا جب سراقہ آپ کے قریب پہنچ گیا تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا اور گھبرا کر عرض کیا یا رسول اللہ اب ہم پکڑ لیے گئے۔ یہ شخص ہماری تلاش میں آرہا ہے۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔

لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ تو غمگین نہ ہو تحقیق اللہ ہمارے ساتھ ہے

اور سراقہ کے لیے[۱] بددعا فرمائی اسی وقت سراقہ کا گھوڑا گھٹنوں[۲] تک پتھریلی زمین میں دھنس گیا۔ سراقہ نے عرض کیا کہ مجھے یقین ہے کہ تم دونوں کی بددعا سے ایسا ہوا ہے آپ دونوں حضرات اللہ سے میرے لیے دعا کیجیے۔ خدا کی قسم میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ جو شخص آپ کو تلاش کرتا ہوا ملے گا اس کو واپس کر دوں گا۔

آپ نے دعا فرمائی اسی وقت زمین نے گھوڑے کو چھوڑ دیا۔ میں سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ اب آپ کو ضرور غلبہ عطا فرمائے گا اور قریش نے جو آپ کے قتل یا گرفتاری کیلئے سو اونٹ کے انعام کا اشتہار دیا تھا، اُس کی میں نے آپ کو اطلاع کی اور جو زادِ راہ میرے ساتھ تھا وہ آپ کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے اس کو قبول نہیں فرمایا۔ البتہ یہ فرمایا کہ ہمارا حال کسی پر ظاہر نہ کرنا۔

مزید احتیاط کی غرض سے میں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ ایک تحریر اُمن اور معافی کی مجھ کو لکھوا دیں۔ آپ کے حکم سے عامر بن فہیرہ نے ایک چمڑے کے ٹکڑے پر معافی کی سند لکھ کر مجھ کو[۳] عطا کی اور روانہ ہوئے۔ اور میں بھی امان نامہ لیکر واپس ہوا جو شخص آپ کے تعاقب میں ملتا تھا اسی کو واپس کر دیتا تھا اور یہ کہہ دیتا کہ تمہارے جانے کی ضرورت نہیں میں دیکھ آیا ہوں (بخاری شریف ص ۵۱۰ ج اوص ۵۱۵ ج اوص ۵۵۷ ج ا)

اسی بارے میں سراقہ نے ابوجہل کو مخاطب بنا کر یہ کہا:۔

---

[۱] بخاری کی روایت میں ہے کہ یہ بددعا کی اللھم اصرعہ اے اللہ اس کو پچھاڑ دے اور ایک روایت میں ہے کہ یہ فرمایا۔ اللھم اکفنا بما شئت۔ اے اللہ تو ہم کو کفایت فرما۔ جس طرح تو چاہے۔ فتح الباری ص ۱۸۷ ج ۷ [۲] اور ایک روایت میں یہ ہے کہ پیٹ تک دھنس گیا۔ فتح الباری ص ۱۸۸ ج ۷ [۳] ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے سراقہ سے فرمایا۔ کیف بک اذ البست سوار کسری۔ اے سراقہ اسوقت تیرا کیا حال ہوگا جس وقت تو کسری (شاہنشاہ عجم) کے کنگن کو پہنے گا۔ چنانچہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب عجم فتح ہوا تو کسریٰ کا تاج اور اس کے کنگن اور دیگر زیورات۔ مسجد نبوی میں فاروق اعظم کے سامنے لاکر ڈال دیے گئے۔ فرمایا بلاؤ سراقہ کو سراقہ حاضر کیے گئے فاروق اعظم نے سراقہ سے مخاطب ہو کر کہا ہاتھ اٹھا اور یہ کہہ اللہ اکبر الحمد للہ الذی سلبھما من کسری بن ہرمز والبسھما سراقۃ الاعرابی اللہ اکبر حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے یہ کنگن کسریٰ سے چھینے اور ایک گنوار اور دہقان سراقہ نامی کو پہنائے بعد ازاں فاروق اعظم نے وہ زیورات مسلمانوں میں تقسیم کر دیے زرقانی ص ۳۴۸ ج ا و اصابہ ترجمہ سراقہ بن مالک۔ و استیعاب لابن عبد البر ص ۱۲۰ ج ۲

ابا حکم واللہ لو کنت شاھدا لامر جوادی اذ تسوخ قوائمہ

اے ابوجہل خدا کی قسم تو اگر اس وقت حاضر ہوتا کہ جب میرے گھوڑے کے قدم زمین میں دھنس رہے تھے کہ۔

علمت ولم تشکک بان محمدا نبی بِبُرْھان فَمَنْ ذایقاومہ

تو تُو یقین کرتا اور ذرہ برابر تجھ کو شک نہ رہتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی ہیں دلائل اور براہین کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں کون ان کا مقابلہ کرسکتا ہے۔[1]

فائدہ: نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا معجزہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کے مشابہ ہے جس طرح قارون موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے زمین میں دھنسا اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے سراقہ کا گھوڑا زمین میں دھنسا اس واقعہ کے بعد آپ بلاخوف وخطر راستہ طے کرتے رہے۔

جب آپ مدینہ کے قریب پہنچے تو حضرت زبیر کاروان تجارت کے ساتھ شام سے واپس ہوتے ہوئے آپ کو ملے۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے سفید لباس پیش کیا۔ یہ روایت بخاری کی ہے۔

ابن ابی شیبہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت طلحہ نے بھی دونوں حضرات کی خدمت میں لباس پیش کیا۔[2]

قصہ بریدۂ اسلمی

آگے چل کر سراقہ کی طرح بریدۂ اسلمی بھی مع ستر سواروں کے آپ کی تلاش میں نکلا تاکہ قریش سے سو اونٹ انعام حاصل کریں۔ جب آپ کے قریب پہنچے تو آپ نے سوال کیا من انت۔ تم کون ہو جواب میں کہا۔ انا بریدۃ میں بریدہ ہوں آپ نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف ملتفت ہو کر بطور تفاؤل فرمایا۔

[1] فتح الباری ج:۷، ص:۱۸۹۔ روض الانف ج۲، ص:۶
[2] فتح الباری ج:۷، ص۱۸۹

یا ابابکر بردامرنا وصلح اے ابوبکر ہمارا کام ٹھنڈا اور درست ہوا۔
پھر فرمایا تو کس قبیلہ سے ہے۔ بریدہ نے کہا۔

مِنْ اَسْلَمْ میں قبیلۂ اسلم سے ہوں۔
آپ نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتفت ہو کر بطور تفاؤل فرمایا۔

سَلِمْنَا ہم سلامت رہے۔
پھر فرمایا یا قبیلہ اسلم کی کس شاخ سے ہو۔ بریدہ نے کہا۔

من بنی سهم بنی سہم سے۔
آپ نے فرمایا۔

خرج سهمُك تیرا حصہ نکل آیا۔
یعنی تجھ کو اسلام سے حصہ ملے گا۔ بریدہ نے دریافت کیا آپ کون ہیں آپ نے فرمایا۔

انامحمد بن عبدالله رسول الله میں محمد بیٹا عبداللہ کا اور رسول اللہ کا۔

بریدہ نے کہا۔اَشْهَدُ اَنْ لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُه بریدہ بھی مسلمان ہوئے اور وہ ستر آدمی جو بریدہ کے ہمراہ تھے وہ بھی سب کے سب مشرف باسلام ہوئے۔ بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مدینہ میں داخل ہوتے وقت آپکے سامنے ایک جھنڈا ہونا چاہیے۔آپ نے اپنا عمامہ اتارا اور نیزہ سے باندھ کر بریدہ کو عطا فرمایا۔ جس وقت آپ مدینہ منورہ پہنچے تو بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جھنڈا لیے ہوئے آپ کے سامنے تھے (اخرجہ البیہقی فی الدلائل واخرجہ ابن عبدالبر باسنادہ فی الاستیعاب۔ ترجمۂ بریدۂ اسلمیؓ) [1]

آپ کی روانگی کی خبر بہجت اثر مدینہ منورہ پہنچ چکی تھی مدینہ کے ہر فرد و بشر شوق دیدار

---

[1] زرقانی ج:۱ص:۳۴۹

میں مقام حرہ پر آ کر کھڑے ہو جاتے۔ دوپہر ہو جاتی تو اپنے گھروں کو واپس ہو جاتے۔
روزانہ یہی معمول تھا ایک روز انتظار کر کے واپس ہو رہے تھے کہ ایک یہودی نے ٹیلہ پر
سے آپ کو رونق افروز ہوتے دیکھا بے اختیار پکار کر یہ کہا۔
یَابَنِیْ قِیْلَه هٰذَا جَدُّ کُمْ[۱] اے بنی قیلہ! یہ ہے تمہارا بخت مبارک اور
خوش نصیبی کا سامان جو آ پہنچا۔

نظم

اینک آن سروخرامان می رسد — اینک آن گلبرگ خندان می رسد
شاباش اے خستہ ہجر ان بلا — کزپئے دردِ تو درمان می رسد
شوق کن اے بلبل گلزار عشق — کان گل گل نواز گلستان می رسد
دردل افسردہ بروحے می دمد — مردہ تن رامژدۂ جان می رسد
تازہ باش اے تشنۂ وادی غم — کزبرایت آب حیوان می رسد
دور شواے ظلمت شام فراق
کآفتاب وصل تابان می رسد

اس خبر کا کانوں میں پڑنا تھا کہ انصار والہانہ وبیتابانہ آپ کے استقبال کے لیے
دوڑ پڑے اور نعرۂ تکبیر سے بنی عمرو بن عوف کی تمام آبادی گونج اٹھی۔
مدینہ طیبہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک آبادی ہے جسے قباء کہتے ہیں۔ یہاں
انصار کے کچھ خاندان آباد تھے۔ سب سے زیادہ عمرو بن عوف کا خاندان ممتاز تھا اور اس
خاندان کے سردار کلثوم بن ہدم تھے۔ آں حضرت ﷺ جب قباء پہنچے تو آپ نے کلثوم
بن ہدم کے مکان پر قیام فرمایا اور ابوبکر صدیق خبیب بن اساف کے مکان پر ٹھہرے۔
انصار ہر طرف سے جوق در جوق آتے اور جوش عقیدت میں عاشقانہ اور والہانہ سلام کے
لیے حاضر ہوتے۔

---

[۱] قیلہ انصار کے جدۂ کبریٰ کا یعنی اوس اور خزرج کی والدہ کا نام ہے۔ زرقانی ص ۳۵۰ ج

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آں حضرت ﷺ کی روانگی کے بعد تین دن مکہ میں قیام کیا اور آں حضرت ﷺ چلتے وقت لوگوں کی امانتیں حضرت علی کے سپرد کر آئے تھے۔ ان امانتوں کو پہنچا کر قباء پہنچے اور کلثوم بن ہدم کے مکان پر آپ کے ساتھ قیام کیا[1]

تاسیس مسجد تقویٰ

قباء میں رونق افروز ہونے کے بعد سب سے پہلے آپ نے جو کام کیا وہ یہ کہ ایک مسجد کی بنیاد ڈالی اور سب سے پہلے خود آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ایک پتھر لا کر قبلہ رُخ رکھا آپ کے بعد ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ایک پتھر رکھا۔ اس کے بعد دیگر حضرات صحابہ نے پتھر لا کر رکھنے شروع کیے اور سلسلہ تعمیر کا جاری ہو گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ آپ بھی بھاری پتھر اٹھا کر لاتے اور بسا اوقات پتھر کو تھامنے کی غرض سے شکم مبارک سے لگا لیتے صحابہ کرام عرض کرتے یا رسول اللہ آپ رہنے دیں ہم اٹھا لیں گے تو آپ قبول نہ فرماتے۔

اسی مسجد کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ۔ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ[2]	البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی وہ مسجد اس کی پوری مستحق ہے کہ آپ اس میں جا کر کھڑے ہوں اس مسجد میں ایسے مرد ہیں کہ جو ظاہری اور باطنی طہارت اور پاکی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی ایسے پاک و صاف رہنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے عمرو بن عوف سے دریافت فرمایا کہ وہ کون سی طہارت اور پاکی ہے جس پر اللہ نے تمہاری ثناء کی۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ج:۱ ص:۱۷۴ [2] توبہ، آیۃ:۱۰۸

عمرو نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم ڈھیلے سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے بھی طہارت کرتے ہیں ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہمارے اس عمل کو پسند فرمایا ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں یہی وہ عمل ہے جس پر اللہ نے تمہاری ثناء کی ہے تم کو چاہیے کہ اس عمل کو لازم پکڑو اور اس کے پابند رہو۔ (روض الانف ص ۱۱۰ ج ۲۔)

صحیحین میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شنبہ کو مسجد قباء کی زیارت کو کبھی سوار اور کبھی پیادہ تشریف لے جاتے اور دو رکعت نماز پڑھتے سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے گھر سے وضو کر کے چلے اور مسجد قباء میں جا کر ایک دوگانہ ادا کرے تو ایک عمرہ کا ثواب پائے (ابن ماجہ)

تاریخ ہجرت

محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ جس روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر قباء میں رونق افروز ہوئے وہ دوشنبہ کا روز تھا اور تاریخ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۳ نبوی تھی اور علمائے سیر کے نزدیک آپ مکہ مکرمہ سے بروز پنجشنبہ ۲۷ صفر المظفر کو برآمد ہوئے تین شب غار ثور میں رہ کر یکم ربیع الاوّل بروز دوشنبہ دوپہر کے وقت آپ نے قباء میں نزول اجلال فرمایا۔ علامہ ابن حزم اور حافظ مغلطائی نے اسی قول کو اختیار فرمایا ہے[1]

تاریخ اسلامی کی ابتداء

زہری فرماتے ہیں کہ اسی روز سے تاریخ اسلامی کی ابتداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوئی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو ربیع الاوّل سے تاریخ لکھنے کا حکم دیا۔ اس روایت کو حاکم نے اکلیل میں ذکر کیا ہے لیکن یہ روایت معضل ہے مشہور یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تاریخ اسلامی کی ابتداء ہوئی شعبی اور محمد بن سیرین سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر کو لکھ کر بھیجا کہ آپ کے

[1] زرقانی ج ۱، ص: ۳۵۱

فرامین ہمارے پاس پہنچتے ہیں لیکن ان پر تاریخ نہیں ہوتی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۷ھ میں صحابہ کو تعیین تاریخ کے بارے میں مشورہ کرنے کے لیے مدعو کیا۔ بعض نے یہ کہا کہ تاریخ کی ابتداء بعثت نبوی سے ہونی چاہیے اور بعض نے کہا ہجرت سے اور بعض نے کہا کہ آپ کی وفات سے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تاریخ کی ابتدا ہجرت سے ہونی چاہیے۔ اس لیے کہ ہجرت ہی سے حق اور باطل میں فرق قائم ہوا اور ہجرت ہی سے اسلام کی عزت اور غلبہ کی ابتداء ہوئی۔ بالاتفاق سب نے اس رائے کو پسند کیا۔ قیاس کا اقتضاء تو یہ تھا کہ سنِ ہجری کی ابتداء ربیع الاوّل سے ہوتی اس لئے کہ آپ اس ماہ میں مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے لیکن بجائے ربیع الاول کے محرم سے اس لیے ابتدا کی گئی کہ آپ ہجرت کا ارادہ محرم ہی سے فرما چکے تھے۔ انصار نے عشرۂ ذی الحجہ میں آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور اخیر ذی الحجہ میں انصار حج کر کے مدینہ منورہ واپس ہوئے۔ آپ نے ان کی واپسی کے چند روز بعد ہی ہجرت کا ارادہ فرمایا اور حضرات صحابہ کو ہجرت کی اجازت دی۔ اس لیے سنِ ہجری کی ابتداء محرم الحرام سے کی گئی اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہی مشورہ دیا کہ سنِ ہجری کی ابتداء محرم الحرام سے ہونی چاہیے۔

بعض نے کہا رمضان المبارک سے ابتداء ہونی چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا محرم الحرام ہی مناسب ہے اس لیے کہ لوگ حج سے محرم ہی میں واپس ہوتے ہیں۔ اسی پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ (باب التاریخ فتح الباری ص ۲۰۹ ج ۷۔ تاریخ طبری ص ۲۵۲ ج ۱ زرقانی ص ۳۵۲ ج ۱ عمدۃ القاری ص ۱۲۸ ج ۸) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے والفجر ولیال عشر کی تفسیر میں مروی ہے کہ الفجر سے محرم کی فجر مراد ہے جس سے سال کی ابتدا ہوتی ہے۔[1]

امام سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ سیر کبیر کی شرح میں لکھتے ہیں کہ جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعیین تاریخ کے بارے میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جمع کیا تو بعض نے یہ مشورہ دیا کہ تاریخ کی ابتداء ولادت باسعادت سے ہونی چاہیے مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رائے کو پسند نہ فرمایا اس لیے کہ اس میں نصاریٰ کے ساتھ تشبہ ہے کہ ان کی تاریخ حضرت

---

[1] البدایۃ والنہایۃ۔ ج:۳، ص:۲۰۷

عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت سے ہے بعض نے یہ رائے دی کہ آپ کی وفات سے تاریخ مقرر کی جائے اس کو بھی حضرت نے ناپسند فرمایا اس لیے کہ آپ کی وفات حادثۂ کبریٰ اور مصیبۂ عظمیٰ ہے اس سے تاریخ کی ابتداء مناسب نہیں۔ بحث و تمحیص کے بعد سب کا اتفاق اس پر ہوا کہ ہجرت سے تاریخ مقرر ہونی چاہیے۔ فاروق اعظم نے اسی رائے کو پسند کیا اس لیے کہ ہجرت ہی سے حق اور باطل کا فرق واضح ہوا شعائر اسلام یعنی جمعہ اور عیدین علی الاعلان ادا کیے گئے۔ (کذافی شرح السیر الکبیر ص ۶۳ ج ۴)

قباء میں چند روز قیام فرما کر جمعہ کے روز مدینہ منورہ کا ارادہ فرمایا اور ناقہ پر سوار ہوئے راستہ میں محلہ بنی سالم پڑتا تھا وہاں پہنچ کر جمعہ کا وقت آ گیا۔ وہیں جمعہ کی نماز ادا فرمائی یہ اسلام میں آپ کا پہلا خطبہ اور پہلی نماز جمعہ تھی۔

(پہلی نماز جمعہ اور پہلا خطبہ) خطبۃ التقویٰ

وہ خطبہ یہ ہے جس کا ہر لفظ دریائے فصاحت و بلاغت کی گہرائی میں ڈوبا ہوا ہے، اور جس کا ہر حرف امراض نفسانی کے لیے شفا اور مردہ دلوں کے لیے آب حیات ہے اور جس کا ہر کلمہ ارباب ذوق کے لیے رحیق مختوم سے کہیں زیادہ شیریں اور لذیذ ہے۔

اَلْحَمْدُلِلّٰہ اَحْمَدُہٗ وَاَسْتَعِیْنُہٗ	الحمدللہ۔ اللہ کی حمد کرتا ہوں اور اسی سے اعانت
وَاَسْتَغْفِرُہٗ واستھدیه وا ومن	اور مغفرت اور ہدایت کا طلبگار ہوں اور اللہ پر
به ولا اکفره واُعادیٰ من	ایمان رکھتا ہوں اس کا کفر نہیں کرتا، بلکہ اس
یکفره واشهدان لا اله الا الله	کے کفر کرنے والوں سے عداوت اور دشمنی رکھتا
وحده لاشریك لـه وان	ہوں اور شہادت دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے
محمدا عبدهٗ ورسوله ارسله	اور محمد اس کے بندہ اور رسول ہیں جس کو اللہ
بالهدیٰ والنور والموعظة	نے ہدایت اور نور حکمت اور موعظت دے کر
علی فترة مِن الرسل وقلة	ایسے وقت میں بھیجا کہ جب انبیاء ورسل کا

من العلم وضلالة من الناس
وانقطاع من الزمان ودنو من
الساعة وقرب من الاجل ۔
من يطع الله و رسوله فقد
رشد ومن يعصهما فقد
غوىٰ وفرّط وضل ضلالاً
بعيداً واوصيكم بتقوى الله
فانه خيرما اوصے به المسلمُ
المسلم ان يحضّه علي
الأخرة وان يامره بتقوي الله
فاحذروا ما حذركم الله من
نفسه ولا الافضل من ذلك
نصيحةً ولا افضل من ذلك
ذكرا وانه تقوى لمن عمل
به علي وجل مخافة من ربه
عون صدق علے ماتبتغون
من امر الأخرة ومن يصلح
الذي بينه وبين الله من امره
في السر والعلانية لاينوى
بذلك الاوجه الله يكن لهٗ
ذِكراً في عاجل امره وذخراً
فيما بعد الموت حين

سلسلہ منقطع ہو چکا تھا اور زمین پر علم برائے نام
تھا اور لوگ گمراہی میں تھے اور قیامت کا قرب
تھا جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے
اس نے ہدایت پائی اور جس نے اللہ اور رسول
کی نافرمانی کی وہ بلاشبہ بے راہ ہوا اور کوتاہی کی
اور شدید گمراہی میں مبتلا ہوا اور میں تم کو اللہ کے
تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اس لیے کہ ایک
مسلمان کی دوسرے مسلمان کو بہترین وصیت
یہ ہے کہ اس کو آخرت پر آمادہ کرے اور تقویٰ
اور پرہیزگاری کا اس کو حکم دے پس بچو اس چیز
سے کہ جس سے اللہ نے تم کو ڈرایا ہے تقویٰ
سے بڑھ کر کوئی نصیحت اور موعظت نہیں اور
بلاشبہ اللہ کا تقویٰ اور خوف خداوندی آخرت
کے بارے میں سچا معین اور مددگار ہے اور جو
شخص ظاہر و باطن میں اپنا معاملہ اللہ کے ساتھ
درست کرلے جس سے مقصود محض رضائے
خداوندی ہو اور کوئی دنیاوی غرض اور مصلحت
پیش نظر نہ ہو تو یہ ظاہر و باطن کی مخلصانہ اصلاح
دنیا میں اس کے لیے باعث عزت و شہرت
ہے اور مرنے کے بعد ذخیرۂ آخرت ہے کہ
جس وقت انسان اعمال صالحہ کا غایت درجہ
محتاج ہوگا اور خلاف تقویٰ امور کے متعلق اس

يفتقر المرالى ماقدم وما
كان من سوى ذلك يود
لوان بينه وبينه امدابعيدا۔
ويحذركم الله نفسه والله
رء وف بالعباد والذى صدق
قوله وانجز وعدهٗ لاخلف
لذلك فانه يقول عزوجل
مايبدل القول لدى وما انا
بظلام للعبيد فاتقوا الله فى
عاجلِ امركم واٰجِلهٖ فى
السروالعلانية فانه من يتق
الله يكفر عنهٗ سيٰاٰتهٖ ويعظم
له اجراً ومن يتق الله
فقدفازفوزاً عظيما وان تقوى
الله يوقى مقته ويُوقى
عقوبته ويوقي سخطه وان
تقوى الله يبيض الوجوه
ويرضى الربَّ ويرفع الدرجة
خذوا بحظكم۔ ولاتفرطوا
في جنب الله قدعلمكم
الله كتابه ونهج لكم سبيلهٗ
ليعلم الذين صدقوا وليعلم
الكاذبين

دن یہ تمنا کرے گا کہ کاش میرے اور اس کے
درمیان مسافت بعیدہ حائل ہوتی اور اللہ تعالیٰ
تم کو اپنی عظمت اور جلال سے ڈراتے ہیں اور
یہ ڈرانا اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر
نہایت ہی مہربان ہیں اللہ اپنے قول میں سچا
ہے اور وعدہ کا وفا کرنے والا ہے اس کے قول
اور وعدے میں خلف نہیں مایبدل القول
لدی وماانا بظلام للعبید پس دنیا اور
آخرت میں ظاہر میں اور باطن میں اللہ سے
ڈرو۔ تحقیق جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالےٰ
اس کے گناہوں کا کفارہ فرماتے ہیں اور اجر
عظیم عطا فرماتے ہیں اور جو شخص اللہ سے
ڈرے تحقیق وہ بلاشبہ بڑا کامیاب ہوا۔ اور
تحقیق اللہ کا تقویٰ ایسی شے ہے کہ اللہ کے
غضب اور اس کی عقوبت اور سزا اور ناراضی
سے بچاتا ہے اور تقویٰ ہی قیامت کے دن
چہروں کو روشن اور منور بنائے گا اور رضاء
خداوندی اور رفع درجات کا ذریعہ اور وسیلہ ہوگا
اور تقویٰ میں جسقدر حصہ لے سکتے ہو وہ لے لو
اس میں کمی نہ کرو اور اللہ کی اطاعت میں کسی
قسم کی کوتاہی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعلیم
کے لیے کتاب اتاری اور ہدایت کا راستہ

فاحسنوا کما احسن اللّٰہ الیکم وعادوا اعداء ہ۔ واجتباکم وسمّاکُمُ المسلمین لیھلک مَن ھلك عن بینة ویحیی من حَیَّ عن بینةٍ ولا قوۃ الا باللّٰہ فاکثروا ذکر اللّٰہ واعملوا لما بعد الموت فانہ من یصلح مابینہ وبین اللّٰہ یکفہ اللّٰہ مابینہ وبین الناس ذلك بان اللّٰہ یقضِیُ علے الناس ولا یقضون علیہ ویملك من الناس ولا یملکونِ منہ۔ اللّٰہ اکبر ولا قوۃ الا باللّٰہِ العظیم[۱]

تمہارے لیے واضح کیا تا کہ صادق اور کاذب میں امتیاز ہو جائے۔ پس جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا اسی طرح تم حسن اور خوبی کے ساتھ اس کی اطاعت بجالاؤ اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھو اس کی راہ میں کما حقہ جہاد کرو۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنے لیے مخصوص اور منتخب کیا ہے اور تمہارا نام اور لقب ہی مسلمان رکھا ہے یعنی اپنا مطیع اور فرمانبردار رکھا۔ بس اس نام کی لاج رکھو منشاء خداوندی یہ ہے کہ جس کو ہلاک اور برباد ہونا ہے وہ قیام حجت کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ بھی قیام حجت کے بعد بصیرت کے ساتھ زندہ ہے کوئی بچاؤ اور کوئی طاقت اور کوئی قوت بغیر اللہ کی مدد کے ممکن نہیں پس کثرت سے اللہ کا ذکر کرو اور آخرت کے لیے عمل کرو۔ جو شخص اپنا معاملہ خدا سے درست کریگا اللہ تعالیٰ لوگوں سے اس کی کفایت کرلے گا کوئی شخص اس کو ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ وجہ اس کی ہے یہ کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تو لوگوں پر چلتا ہے اور لوگ اللہ پر حکم نہیں چلا سکتے اللہ ہی تمام لوگوں کا مالک ہے اور لوگ اللہ کی کسی چیز کا مالک ہے نہیں

---

[۱] تاریخ طبری ج:۲، ص:۲۲۵۔ البدایة والنہایة۔ ج:۳، ص:۲۱۳

لہذا تم اپنا معاملہ اللہ سے درست کرلو۔
لوگوں کی فکر میں مت پڑو اور اللہ سب کی
کفایت کرے گا اللہ اکبر ولا قوۃ الا باللہ العلی
العظیم۔

نکتہ: یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا خطبہ ہے کہ جو آپ نے ہجرت کے بعد یا تیرہ سالہ مظلومانہ زندگی کے بعد جو خطبہ دیا جارہا ہے اس میں ایک حرف بھی اپنے دشمنوں کی مذمت اور شکایت کا نہیں سوائے تقویٰ اور پرہیزگاری اور آخرت کی تیاری کے کوئی لفظ لسان نبوت سے نہیں نکل رہا ہے بے شک آپ انك لعلیٰ خلق عظیم کے مصداق تھے۔ صلی اللہ علیہ وسلم وبارك وترحم۔

جمعہ سے فارغ ہوکر آپ ناقہ پر سوار ہوئے اور ابوبکر کو آپ نے اپنے پیچھے بٹھایا اور مدینہ کا رُخ فرمایا اور انصار کا ایک عظیم الشان گروہ ہتھیار لگائے ہوئے آپ کے یمین ویسار آگے اور پیچھے آپ کے جلو میں چل رہا تھا[1]

ہر شخص کی تمنا اور آرزو یہ تھی کہ کاش آپ میرے یہاں قیام فرمائیں ہر طرف سے یہی والہانہ اور عاشقانہ استدعاء نیاز تھی کہ یارسول اللہ یہ غریب خانہ حاضر ہے آپ ان کو دعاء دیتے اور یہ فرماتے یہ ناقہ من جانب اللہ مامور ہے جہاں اللہ کے حکم سے بیٹھ جائے گی وہیں قیام کروں گا[2]

---

[1] فتح الباری ج: ۷، ص: ۱۹۵ [2] فتح الباری: ج ۷، ص: ۱۹۴

رشتۂ دردگردنم افگندہ دوست　　می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

لگام کو آپ نے بالکل ڈھیلا چھوڑ دیا تھا۔ کسی جانب لگام کو دستِ مبارک سے حرکت نہیں دیتے تھے جوش کا یہ عالم تھا کہ خواتین جمال نبوی کے دیکھنے کے لیے چھتوں پر چڑھی ہوئی تھیں اور یہ شعر گاتی تھیں۔

طلع البدر علینا　　من ثنیات الوداع

چودھویں رات کے چاند نے ثنیات الوداع سے ہم پر طلوع کیا ہے۔

وجب الشکر علینا　　مادعا للہ داع

ہم پر اللہ کا شکر واجب ہے جب تک اللہ کو کوئی پکارنے والا باقی ہے

ایھا المبعوث فینا　　جئت بالامر المطاع

اے وہ مبارک ذات کہ جو ہم میں پیغمبر بنا کر بھیجے گئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے امور کو لے کر آئے ہو جن کی اطاعت واجب ہے۔

اور بنی النجار کی لڑکیاں یہ شعر گاتی تھیں

نحن جوارٍ من بنی النجار　　یاحبذا محمد من جار

ہم لڑکیاں ہیں بنی النجار کی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہی اچھے پڑوسی ہیں۔

اور فرطِ مسرت سے ہر بڑے چھوٹے کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔

جاء نبی اللہ - جاء رسول اللہ ! آئے اللہ کے نبی۔ آئے اللہ کے رسول۔

صحیح بخاری میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے اہلِ مدینہ کو کسی چیز سے اتنا خوش ہوتے نہیں دیکھا جتنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے خوش ہوتے دیکھا۔ سنن ابی داؤد میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب

رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو حبشیوں نے آپ کی تشریف آوری کی مسرت میں نیزہ بازی کے کرتب دکھائے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو مدینہ کا ذرہ ذرہ روشن تھا جس روز آپ نے وفات پائی اس روز ہر چیز تاریک تھی۔ آپ کو قبر شریف میں رکھ کر مٹی سے ہاتھ نہیں جھاڑنے پائے تھے کہ اپنے دلوں میں تغیر پاتے تھے (اخرجہ الترمذی فی المناقب وقال صحیح غریب وابن ماجہ فی الجنائز) غرض یہ کہ ناقۂ مبارک اسی شان سے آہستہ آہستہ چل رہی تھی اور وہ حضرات آپ کے گردوپیش اور یمین ویسار میں تھے کہ جن کے قلوب کو حق جل وعلا نے ازل سے اپنی اور اپنے رسول کی محبت وعشق کے لیے مخصوص اور منتخب فرمایا تھا اور اپنے ماسوا کے لیے ان کے دلوں میں جزء لایتجزیٰ کی بقدر بھی کوئی گنجائش نہ چھوڑی تھی خدا کی قسم یہ جو کچھ کہہ رہا ہوں بالکل حقیقت ہے اس میں استعارہ اور مجاز کا نام ونشان نہیں صحابہ کرام بلاشبہ حقیقۃً ایسے ہی تھے۔ آپ چل رہے تھے اور ان محبین ومخلصین کی نگاہیں فرش راہ بنی ہوئی تھیں جو شخص اپنی شیفتگی اور وارفتگی اور جوش عقیدت اور ولولۂ محبت میں اونٹنی کی مہار پکڑنا چاہتا تو آپ یہی فرماتے۔

دَعُوهَا فانها مَا مُورَة | اس کو چھوڑ دو یہ منجانب اللہ مامور ہے۔

بالآخر ناقہ محلہ بنی النجار (جو آپ کے ننہالی قرابت دار ہیں) میں خود بخود اس مقام پر بیٹھ گئی جہاں اس وقت مسجد نبوی کا دروازہ ہے مگر آپ ناقہ سے نہ اترے کچھ دیر کے بعد ناقہ اٹھی اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر بیٹھی اور کچھ دیر کے بعد اُٹھ کر پہلی جگہ پر آکر بیٹھی اور اپنی گردن زمین پر ڈال دی اس وقت رسول اللہ ﷺ ناقہ سے اترے اور ابوایوب انصاری آپ کا سامان اٹھا کر اپنے گھر لے گئے۔

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد ہمایوں کشورے کان عرصہ را شاہے چنیں باشد[1]

---

[1] زرقانی ج ۱ ص: ۳۵۶۔۳۵۹، عیون الاثر، فتح الباری ج ۷، ص ۱۹۲

رسول اللہ ﷺ کا طبعی میلان بھی اسی طرف تھا کہ آپ بنی النجار ہی میں اتریں جو آپ کے دادا عبدالمطلب کے ماموں ہیں اور اپنے نزول سے ان کو عزت اور شرف بخشیں جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حق جل شانہ نے آپ کی اس خواہش کو ایک معجزانہ طریق سے پورا فرمایا کہ ناقہ کی لگام آپ کے دستِ مبارک سے چھڑا دی گئی کہ آپ اپنے ارادہ اور اختیار سے کسی جانب لگام کو حرکت نہ دیں اور نہ اپنی طرف سے کسی کے مکان کو نزول کے لیے مخصوص فرمائیں تاکہ آپ کے محبین اور مخلصین کے قلوب منافست اور منازعت سے بالکلیہ پاک رہیں اور سمجھ لیں کہ آپ کا بالذات کوئی قصد اور ارادہ نہیں۔ ناقہ منجانب اللہ مامور ہے جہاں خدا کا حکم ہوگا وہیں ٹھہرے گی۔ آپ خدا کے اشارہ کے منتظر ہیں اس طرح سے حق جل شانہ نے آپ کی خواہش کو بھی پورا فرمایا اور صحابہ کرام کے حق میں اس شان سے نزول کو ایک معجزہ اور نشانی بنایا کہ جس کی برکت سے سب کے قلوب تنافس اور تنازع تحاسد اور تنافر سے بھی پاک رہے اور سب نے خوب سمجھ لیا کہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کی تخصیص آپ کی طرف سے نہیں بلکہ اللہ کی طرف ہے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيمِ [1]

علاوہ ازیں جب تُبّع شاہِ یمن کا مدینہ منورہ کی سرزمین پر گذر ہُوا تو چار سو علماء تورات اس کے ہمراہ تھے سب علماء نے بادشاہ سے یہ استدعاء کی کہ ہم کو اس سرزمین پر رہ جانے کی اجازت دی جائے بادشاہ نے اس کا سبب دریافت کیا علما نے یہ کہا کہ ہم انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے صحیفوں میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ اخیر زمانہ میں ایک نبی پیدا ہوں گے مُحَمَّدٌ ان کا نام ہوگا اور یہ سرزمین ان کا دارالہجرت ہوگی۔ بادشاہ نے وہاں سب کو قیام کی اجازت دی اور ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ مکان تیار کرایا اور سب کے نکاح کرائے اور ہر ایک کو مال عظیم دیا اور ایک مکان خاص نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے لیے تیار کرایا

[1] زاد المعاد ج ۲ ص ۵۵۰

کہ جب نبی آخرالزمان یہاں ہجرت فرما کر آئیں تو اس مکان میں قیام فرمائیں اور آپ کے نام ایک خط لکھا جس میں اپنے اسلام اور اشتیاق دیدار کو ظاہر کیا۔ خط کا مضمون یہ تھا۔

شَہِدْتُ عَلٰی اَحْمَدَ اَنَّہٗ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰہِ بَارِی النَّسَمُ

میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد مجتبیٰ احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول برحق ہیں۔

وَجَاھَدْتُ بِالسَّیْفِ اَعْدَآءَہٗ وَفَرَّجْتُ عَنْ صَدْرِہٖ کُلَّ غَمْ

اور ان کے دشمنوں سے جہاد کروں گا اور ان کے دل سے ہر غم کو دور کروں گا۔

اور تبع نے اس خط پر ایک مہر بھی لگائی اور ایک عالم کے سپرد کیا کہ اگر تم اس نبی آخرالزمان کا زمانہ پاؤ تو میرا یہ عریضہ پیش کر دینا ورنہ اپنی اولاد کو یہ خط سپرد کر کے یہی وصیت کر دینا جو میں تم کو کر رہا ہوں۔

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اسی عالم کی اولاد میں سے ہیں اور یہ مکان بھی وہی مکان تھا جس کو تبع شاہ یمن نے فقط اسی غرض سے تعمیر کرایا تھا کہ جب نبی آخرالزمان ہجرت کر کے آئیں تو اس مکان میں اتریں اور بقیہ انصار ان چار سو علماء کی اولاد سے ہیں۔ چنانچہ اللہ کے حکم سے اونٹنی اسی مکان کے دروازہ پر جا کر ٹھہری کہ جو تبع نے پہلے ہی سے آپ کی نیت سے تیار کرایا تھا۔ شیخ زین الدین مراغیؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں ابوایوب انصاریؓ کے مکان پر نہیں اترے بلکہ اپنے مکان پر اترے تو بیجا نہ ہوگا۔ اس لیے کہ یہ مکان تو اصل میں آپ ہی کے لیے تیار کرایا گیا تھا۔ ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قیام تو اس مکان میں محض آپ کی تشریف آوری کے انتظار میں تھا۔

کہا جاتا ہے کہ آپ کی تشریف آوری کے بعد ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ عریضہ جس میں وہ اشعار لکھے ہوئے تھے۔ تبع کی طرف سے آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔[1]

ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے اصرار کیا کہ آپ بالاخانہ میں رونق افروز

---

[1] روض الانف ج:۱ ص:۲۴

ہوں اور ہم نیچے کے مکان میں رہیں۔ آپ نے اس خیال سے کہ ہر وقت آپ کی خدمت میں لوگوں کی آمد ورفت رہے گی۔ اب اگر ابوایوب نیچے کے مکان میں رہیں تو ان کے اہل خانہ کو اس آمد ورفت سے تکلیف ہوگی۔ اس لیے بالاخانہ کے قیام کو منظور نہیں فرمایا۔ نیچے ہی مکان کو قیام کے لئے پسند فرمایا اور ہم بالاخانہ پر رہنے لگے ایک مرتبہ پر یہ اتفاق پیش آیا کہ پانی کا برتن ٹوٹ گیا ہم نے گھبرا کر اس کے جذب کرنے کیلئے اپنا لحاف اس پر ڈال دیا کہ نیچے کے مکان میں نہ پہونچے میں اور ام ایوب دونوں جلد جلد اس پانی کو لحاف سے جذب کرتے جاتے تھے اور ہمارے پاس اس کے سوا اور کوئی کپڑا نہ تھا اور ہم روزانہ آپ کے لیے کھانا تیار کر کے بھیجا کرتے۔ جو بچ رہتا آپ واپس فرمادیتے جہاں رسول اللہ ﷺ کا انگلیوں کا نشان دیکھتے وہیں سے میں اور ام ایوب تبرؔ کا انگلیاں ڈال کر کھاتے۔

ایک روز ہم نے کھانے میں لہسن اور پیاز شامل کر دیا آپ نے کھانا واپس فرمادیا دیکھا تو اس میں انگشتان مبارک کے نشان نہ تھے۔ گھبرا کر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے کھانا واپس فرمادیا جس میں آپ کی انگلیوں کے نشان نہیں ہیں۔ میں اور امّ ایوب تو برکت حاصل کرنے کے لیے قصداً اسی جگہ سے کھایا کرتے تھے جہاں آپ کی انگشتان مبارک کا نشان ہوتا تھا۔

آپ نے ارشاد فرمایا میں نے اس کھانے میں لہسن اور پیاز کی بو محسوس کی۔ تم کھاؤ میں چونکہ فرشتوں سے ہم کلام ہوتا ہوں اس لیے میں اس کے کھانے سے احتراز کرتا ہوں ابوایوب فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم نے کبھی آپ کے کھانے میں لہسن اور پیاز شامل نہیں کیا۔[1]

علماء یہود کی خدمت نبوی میں حاضری

آں حضرت ﷺ جب مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے تو علماء یہود خاص طور پر آں

[1] سیرۃ ابن ہشام۔ ج:۱ص:۱۷۶

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے امتحاناً مختلف قسم کے سوالات کیے اس لیے کہ علماء یہود کو انبیاء سابقین کی بشارتوں سے نبی آخر الزمان کے ظہور کا بخوبی علم تھا اور وہ یہ جانتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جس نبی کے ظہور کی بشارت دی وہ عنقریب سرزمین بطحاء سے مبعوث ہونے والا ہے اور وہ آپ کی بعثت کے منتظر تھے چنانچہ ہجرت کے بیان میں گذر چکا ہے کہ پہلی بار حضور پُرنور نے انصار کے سامنے اسلام پیش کیا تو انھوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا کہ یہ وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کے ظہور کا یہود تذکرہ کیا کرتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اس سعادت اور فضیلت میں ہم سے سبقت لے جائیں۔ دیکھو۔ فتح الباری باب وفود الانصار الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ وبیعۃ العقبۃ اور دیکھو۔ البدایۃ والنہایۃ ص ۱۴۸ ج ۳۔

معلوم ہوا کہ یہود کو اس کا علم تھا کہ جس نبی کے ظہور کی موسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی ہے اس کی بعثت کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ اس لیے یہود خاص طور پر آپ سے ملنے کے لیے آئے قسمت نے جس کی پیشانی اقبال پر حرف سعادت لکھ دیا تھا وہ آپ کو دیکھتے ہی پہچان گیا کہ یہ وہی نبی برحق ہیں جن کی انبیاء سابقین نے بشارت دی ہے اور بلا تردّد اور بلا توقف ایمان لے آیا اور جس کی قسمت میں محرومی لکھی تھی وہ محروم رہا۔

(۱) ابن عائذ بطریق عروہ بن زبیر راوی ہیں کہ علماء یہود میں سب سے پہلے آپ کی خدمت میں یاسر بن اخطب یعنی حیی بن اخطب یہودی کا بھائی حاضر ہوا اور آپ کا کلام سنا جب واپس آ گیا تو اپنی قوم سے یہ کہا۔

اطیعونی فانّ ھذا النبی الذی کنانتظر۔	میرا کہنا مانو۔ تحقیق یہ وہی نبی ہے جس کے ہم منتظر تھے وہ آ گئے ہیں۔ (لہذا ان پر ایمان لاؤ۔)

لیکن اس کے بھائی حیی بن اخطب نے اُس کی مخالفت کی اور قوم میں بڑا اور

سردار بھی مانا جاتا تھا قوم اسی کی اطاعت کرتی تھی۔ اس پر شیطان غالب آیا اور حق کے قبول سے اس کو روکا۔ قوم نے اسی کی اطاعت کی اور اسی کا کہنا مانا اور ابو یاسر کا کہنا نہ سنا[1]

(۲) سعید بن مسیّب۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ حضور پُر نور جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو بیت المدارس (یہودیوں کے مدرسہ کا نام ہے) میں علماء یہود جمع ہوئے اور مشورہ کیا کہ اس شخص (اشارہ بسوئے آں حضرت ﷺ) کے پاس جا کر سوالات کرنے چاہئیں[2]

(۳) بیہقی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ایک یہودی عالم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایسے وقت پہونچا کہ آپ سورۂ یوسف پڑھ رہے تھے اس نے پوچھا اے محمدؐ یہ سورۃ آپ کو کس نے تعلیم دی ہے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تعلیم دی ہے اس کو بہت تعجب ہوا اور وہ یہودی عالم فوراً یہود کی طرف واپس گیا اور جا کر یہ کہا کہ محمدؐ۔ قرآن پڑھتے ہیں وہ ایسی ہی کتاب معلوم ہوتی ہے۔ جیسے تورات موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور یہود کی ایک جماعت کو اپنے ساتھ لے کر آپ کی خدمت میں آیا۔ ان لوگوں نے آپ کی صورت اور صفت کو دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی آمد کی توریت میں خبر دی گئی ہے اور آپ کے دوشانوں کے درمیان مہر نبوت کو دیکھا اور آپ جو سورۂ یوسف پڑھ رہے تھے اس کو خوب غور سے سُنا سُن کر حیران رہ گئے اور سب اسلام لے آئے۔[3]

(۴) ابن اسحاق اور بیہقی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ابن صوریا (ایک یہودی عالم) سے یہ کہا کہ میں تجھے اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ سچ سچ یہ بیان کرے کہ کیا توریت میں شادی شدہ زنا کرنے والے کے لیے رجم کا حکم ہے۔ ابن صوریا نے کہا۔

اللّٰھم نعم اما واللّٰہ یا	اے اللہ بے شک توریت میں ایسا ہی حکم ہے
ابا القاسم انھم لیعرفون	اور اے ابو القاسم واللہ اہل کتاب اس امر کو
انک نبی مرسل ولکنھم	خوب جانتے اور پہچانتے ہیں کہ آپ نبی

[1] فتح الباری۔ ج:۷ص:۲۱۳ [2] فتح الباری۔ ج:۷، ص:۲۱۴ [3] ایضاً

یحسدونك۔ (خصائص کبریٰ ص ۱۹ ج ۱)	مرسل ہیں لیکن آپ پر حسد کرتے ہیں۔

(۵) عبداللہ بن احمد نے زوائد مسند میں جابر بن سمرہؓ سے روایت کی کہ ایک جرمقانی[1] شخص آیا اور صحابہ سے حضور کی نسبت دریافت کیا کہ تمہارے وہ صاحب جو یہ زعم کرتے ہیں کہ میں نبی ہوں کہاں ہیں۔ مَیں ان سے کچھ سوال کروں گا جس سے معلوم ہو جائے گا وہ نبی ہیں یا غیر نبی۔ اتنے میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم سامنے سے آ گئے جرمقانی نے کہا کہ جو وحی آپ پر آتی ہے وہ مجھے پڑھ کر سنائیے آپ نے اس کے سامنے کتاب اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائیں جرمقانی نے سنتے ہی کہا واللہ یہ اس قسم کا کلام ہے جو موسیٰ علیہ السلام لائے[2]

اسی طرح اور بھی بہت سے علماء اور یہود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے جیسے زید بن سعنۃ وغیرہ[3]

اسلام عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وادخلہ دار السّلام[4]

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ توریت کے بڑے زبردست عالم تھے۔ آپ حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کا اصل نام حُصَین تھا۔ اسلام لانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن سلام نام رکھا۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں آپ کی تشریف آوری کی خبر سنتے ہی آپ کے دیکھنے کے لیے حاضر ہُوا۔

فلما رأيت وجهه عرفت ان وجهه ليس بوجه كذّاب۔	میں نے آپ کے چہرۂ انور کو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ چہرہ جھوٹے کا چہرہ نہیں۔

در دل ہر امتی کز حق مزہ است — روئے و آواز پیمبر معجزہ است

چون شود از رنج وعلت دل سلیم — طعم صدق وکذب را باشد علیم

---

[1] جرمقانی، جرلمقہ کی طرف نسبت ہے جو عجم میں ایک قوم ہے [2] الخصائص الکبریٰ ج:۱، ص:۱۹۴،
[3] فتح الباری: ج:۷، ص:۲۱۴ [4] عبداللہ بن سلام کے اسلام کا واقعہ البدایۃ والنھایۃ ص ۲۱۰ ج ۳ تا ص ۲۱۲ میں دیکھو

پہلا کلام جو آپ کی زبان سے سُنا وہ یہ تھا۔

ایھا الناس اطعموا الطعام وافشوا السلام وصلوا الارحام وصلوا باللیل والناس نیام تدخلوا الجنة بسلام۔ اخرجه الترمذی والحاکم وصححاه۔	اے لوگو آدمیوں کو کھانا کھلایا کرو اور آپس میں سلام کو پھیلاؤ اور صلہ رحمی کرو اور رات میں نماز پڑھو جب کہ لوگ خدا سے غافل سو رہے ہوں تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو گے۔ اس حدیث کو ترمذی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور دونوں نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے۔

دلائل بیہقی میں عبداللہ بن سلام سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کا نام اور آپ کی صفت اور آپ کا حلیہ پہلے ہی سے جانتا تھا مگر کسی سے ظاہر نہیں کرتا تھا۔

جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے اور میں نے آپ کی خبر سنی تو میں اس وقت ایک کھجور کے درخت پر چڑھا ہوا تھا وہیں سے خوشی میں اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔

میری پھوپھی خالدہ بنت حارث نے کہا اگر تو موسیٰ علیہ السلام کی خبر سنتا تو اس سے زیادہ خوش نہ ہوتا میں نے کہا۔ ہاں۔ خدا کی قسم یہ بھی موسیٰ کے بھائی ہیں وہی دین دے کر بھیجے گئے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام دے کر بھیجے گئے تھے۔ میری پھوپھی نے کہا اے میرے بھتیجے کیا یہ وہی نبی ہیں جن کی ہم خبریں سنتے آئے ہیں کہ وہ قیامت کے سانس کے ساتھ مبعوث ہوں گے۔ میں نے کہا ہاں یہ وہی نبی ہیں۔ میں گھر سے نکل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مشرف باسلام ہوا اور واپس آ کر اپنے تمام اہل خانہ کو اسلام کی دعوت دی۔ سب نے اسلام قبول کیا[1]

فائدہ

قیامت کے سانس سے وہ فتنے اور حوادث مراد ہیں کہ جو قیامت سے پہلے ظہور پذیر ہوں گے اور ان کا ظہور قیامت کا دیباچہ اور پیش خیمہ ہوگا۔

---

[1] فتح الباری۔ ج: ۷، ص: ۱۹۷

كـمـا قـال تـعـالـىٰ نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَىْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ۔ وقال النبى صلى الله عليه وسلم بعثت انا والساعة كهاتين۔ (روض الانف ص ۳۵ ج ۲) اس کے بعد میں نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قبل اس کے کہ میری قوم کو میرے اسلام کا علم ہو آپ مجھ کو کسی کوٹھری میں بٹھلا کر یہود سے میرا حال دریافت فرمائیں کیونکہ یہود بڑی بہتان باندھنے والی قوم ہے چنانچہ جب یہود آپ کی خدمت میں آئے تو آپ نے عبداللہ بن سلام کو ایک کوٹھری میں بٹھلا کر یہود سے دریافت فرمایا کہ اے گروہ یہود اللہ سے ڈرو۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم خوب جانتے ہو کہ میں اللہ کا سچا رسول ہوں اور حق لے کر آیا ہوں پس اسلام لاؤ۔ یہود نے کہا ہم نہیں جانتے۔ آپ نے تین بار یہی سوال فرمایا ہر بار یہود یہی کہتے رہے۔ بعد ازاں یہ فرمایا کہ عبداللہ بن سلام تم میں کیسا شخص ہے۔ یہود نے کہا کہ ہمارا سردار اور ہمارے سردار کا بیٹا اور ہمارا سب سے بڑا عالم اور سب سے بڑے عالم کا بیٹا اور ہم میں سے سب سے بہتر اور سب سے بہتر کا بیٹا۔

آپ نے فرمایا اگر عبداللہ بن سلام مجھ پر ایمان لے آئے پھر تو میرے نبی برحق ہونے کا یقین کرو گے۔ یہود نے کہا عبداللہ بن سلام کبھی اسلام لا ہی نہیں سکتا۔ آپ نے فرمایا بالفرض وہ اسلام لے آئے یہود نے کہا حاشا وکلا وہ کبھی مسلمان ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ نے فرمایا اے ابن سلام باہر نکل آؤ۔ عبداللہ بن سلام باہر آئے اور یہ کلمات زبان پر تھے اَشْهَدُاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اور یہود سے مخاطب ہو کر کہنے لگے اے گروہ یہود خدا سے ڈرو قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم خوب جانتے ہو کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور حق لے کر آئے ہیں یہ سنتے ہی یہود نے کہا تو جھوٹا اور کذاب ہے اور سب میں برا اور برے کا بیٹا ہے (بخاری شریف) اسی بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ قُلْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ وَ كَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَشَاهِدٌ مِّنْ بَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ [۱] [۲]

---

۱ الاحقاف، آیہ: ۱۰، ۲ عیون الاثر۔ ج: ۱، ص: ۲۰۷

اِسلام میمون بن یامین

میمون بن یامین رؤساء یہود میں سے تھے۔ آپ کو دیکھ کر مشرف باسلام ہوئے اور اُن کا حال بھی عبداللہ بن سلام جیسا ہی ہوا۔

میمون بن یامین رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ یہود کو بلا بھیجئے اور مجھ کو حکم بنا دیجئے وہ لوگ میری طرف رجوع کریں گے۔ آپ نے میمون کو تو اندر کوٹھری میں چھپا دیا اور یہود کے بلانے کے لیے آدمی بھیج دیا وہ لوگ آئے اور آپ سے گفتگو کی آپ نے فرمایا کہ تم اپنے لوگوں میں سے کسی کو میرے اور اپنے مابین حکم مقرر کرلو۔ یہود نے کہا کہ ہم میمون بن یامین کے حاکم بنانے پر راضی ہیں وہ جو فیصلہ کردے ہمیں منظور ہے۔ آپ نے میمون کو آواز دی کہ باہر آجاؤ میمون باہر آئے اور کہا اشہد انہ رسول اللہ مگر یہود نے تصدیق کرنے سے انکار کردیا[1] باب اتیان الیہود النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین قدم المدینۃ۔

اِسلام سلمان بن اِسلام رضی اللہ عنہ[2]

سلمان آپ کا نام ہے ابوعبداللہ آپ کی کنیت ہے سلمان الخیر کے لقب سے مشہور

---

[1] فتح الباری۔ ج: ۷، ص: ۲۱۳

[2] حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ سلمان فارسیؓ کو سلمان ابن اسلام اور سلمان بن خیر بھی کہتے ہیں یعنی اسلام ان کے حق میں بمنزلہ باپ کے ہے اور وہ اسلام کے حق میں بمنزلہ بیٹے کے ہے۔ اصابہ ص ۲۶ ج ۲ ترجمہ سلمان فارسی۔ حافظ ابن رقیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ سلمانؓ کا اگر نام پوچھو تو عبداللہ ہے نسبت پوچھو تو ابن الاسلام یعنی اسلام کا فرزند ارجمند سرمایہ اور دولت پوچھو تو فقر ہے دکان انکی مسجد ہے کمائی ان کی صبر ہے لباس ان کا تقویٰ ہے تکیہ انکا بیداری ہے مابہ الافتخار انکا منا ہے (یہ آنحضرت کا ارشاد ہے کہ سلمان ہم میں سے ہے) اور اگر انکا قصد اور ارادہ پوچھتے ہو تو یریدون وجہہ ہے اللہ جل جلالہ کی ذات پاک اور اسکی رضا اور خوشنودی چاہتے ہیں اور اگر یہ پوچھتے ہو کہ کہاں جارہے ہیں تو سمجھ لو کہ جنت کی طرف جارہے ہیں اور یہ پوچھتے ہو کہ اس سفر میں انکا ہادی اور رہنما کون ہے تو خوب جان لو کہ وہ امام المتقین ہادی الخلائق الیٰ رب العلمین سید الاولین والاخرین خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم و علیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین تیرا۔

اِذَا نحن اَدْلَجْنَا وَاَنْتَ اِمَامُنَا کَفٰی بالمطایا طیبُ ذِکْراکَ حَادِیَا

جب ہم تاریک رات میں چلیں اور تو ہمارا امام ہو تو اونٹوں کی حدی کیلئے تیرا پاکیزہ ذکر ہی کافی ہے۔

وَاِنْ نَحْنُ اَضْلَلْنَا الطریقَ وَلَمْ نَجِد دلیلاً کَفَانَا نُورُ وَجْهِكَ هَادِیَا

اور اگر ہم راستہ گم کر بیٹھیں اور کوئی رہنما ہم کو نہ ملے تو تیرے چہرے کا نور ہماری رہنمائی کیلئے بالکل کافی ہے۔

کذا فی الفوائد لابن قیم ص ۴۱

میں گویا سلمان کیا تھے۔ خیرِ مجسم تھے ملک فارس کے رام ہرمز کے مضافات میں سے، قصبۂ جی کے رہنے والے تھے شاہان فارس کے خاندان سے تھے۔ جب کوئی سلمان رضی اللہ عنہ سے پوچھتا ابن من انت تم کس کے بیٹے ہو تو یہ جواب دیتے۔

انا سلمان بن الاسلام۔ | میں سلمان بیٹا اسلام کا ہوں۔

(الاستیعاب للحافظ ابن عبدالبر ص ۵۶ ج ۲ حاشیہ اصابہ)

یعنی میرے روحانی وجود کا سبب اسلام ہے اور وہی میرا مربی ہے فنعم الاب ونعم الابن پس کیا اچھا باپ ہے اور کیا اچھا بیٹا۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی عمر بہت زیادہ ہوئی کہا جاتا ہے کہ سلمان نے حضرت مسیح بن مریم کا زمانہ پایا اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت مسیح کے زمانہ کو نہیں لیکن حضرت مسیح کے کسی حواری اور وصی کا زمانہ پایا ہے۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ جسقدر اقوال بھی ان کے عمر کے بارے میں پائے گئے وہ سب اس پر متفق ہیں کہ آپ کی عمر ڈھائی سو سال سے متجاوز ہے۔

ابوالشیخ طبقات الاصبہانیین میں لکھتے ہیں کہ اہل علم یہ کہتے ہیں کہ حضرۃ سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ساڑھے تین سو سال زندہ رہے لیکن ڈھائی سو سال میں تو کسی کو شک ہی نہیں (اصابہ ترجمۂ سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۶۲ ج ۲) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھ سے سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اسلام لانے کا واقعہ خود اپنی زبان سے اس طرح بیان کیا کہ میں ملک فارس میں سے قریہ جی کا رہنے والا تھا۔ میرا باپ اپنے شہر کا چودھری تھا اور سب سے زیادہ مجھ کو محبوب رکھتا تھا جس طرح کنواری لڑکیوں کی حفاظت کرتے ہیں اسی طرح میری حفاظت کرتا تھا اور مجھ کو گھر سے باہر نہیں جانے دیتا تھا۔ ہم مذہباً مجوسی تھے۔ میرے باپ نے مجھ کو آتش کدہ کا محافظ اور نگہبان بنا رکھا تھا کہ کسی وقت

آگ بجھنے نہ پائے۔ایک مرتبہ میرا باپ تعمیر کے کام میں مشغول تھا۔اس لیے مجبوری مجھ کو کسی زمین اور کھیت کی خبر گیری کے لیے بھیجا اور یہ تاکید کی کہ دیر نہ کرنا میں گھر سے نکلا راستہ میں ایک گرجا پڑتا تھا۔اندر سے کچھ آواز سنائی دی میں دیکھنے کیلئے اندر گھسا دیکھا تو نصاریٰ کی ایک جماعت ہے کہ جو نماز میں مشغول ہے مجھ کو ان کی یہ عبادت پسند آئی اور اپنے دل میں یہ کہا کہ یہ دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔میں نے ان لوگوں سے دریافت کیا کہ اس دین کی اصل کہاں ہے۔ان لوگوں نے کہا ملک شام میں اسی میں آفتاب غروب ہو گیا۔ باپ نے انتظار کر کے تلاش میں قاصد دوڑائے جب گھر واپس آیا تو باپ نے دریافت کیا اے بیٹے تو کہاں تھا۔میں نے تمام واقعہ بیان کیا باپ نے کہا اس دین (یعنی نصرانیت) میں کوئی خیر نہیں۔تیرے باپ دادا کا دین یعنی (آتش پرستی) بہتر ہے۔

میں نے کہا ہرگز نہیں خدا کی قسم نصرانیوں ہی کا دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔ باپ نے میرے پیر میں بیڑیاں ڈال دیں اور گھر سے باہر نکلنا بند کر دیا یا جیسے فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِىْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ۔ اگر تو نے میرے سوا کسی کو معبود بنایا تو میں تجھ کو قیدیوں میں سے کر دوں گا۔(جیسا کہ عام اہل باطل کا طریق ہے) میں نے پوشیدہ طور پر نصاریٰ سے یہ کہلا بھیجا کہ جب کوئی قافلہ شام کو جائے تو مجھ کو اطلاع کرنا چنانچہ انہوں نے مجھ کو ایک موقع پر اطلاع دی کہ نصاریٰ کے تاجروں کا ایک قافلہ شام واپس جانے والا ہے۔میں نے موقعہ پا کر بیڑیاں اپنے پیر سے نکال پھینکیں اور گھر سے نکل کر ان کے ساتھ ہو لیا۔

شام پہنچ کر دریافت کیا کہ عیسائیوں کا سب سے بڑا عالم کون ہے۔لوگوں نے ایک پادری کا نام بتلایا میں اس کے پاس پہنچا اور اس سے اپنا تمام واقعہ بیان کیا اور یہ کہا کہ میں آپ کی خدمت میں رہ کر آپ کا دین سیکھنا چاہتا ہوں مجھ کو آپ کا دین مرغوب اور پسند ہے آپ اجازت دیں تو آپ کی خدمت میں رہ پڑوں اور دین سیکھوں اور آپ کے ساتھ

نمازیں پڑھا کروں اس نے کہا بہتر ہے لیکن چند روز کے بعد تجربہ ہوا کہ وہ اچھا آدمی نہ تھا بڑا ہی حریص اور طامع تھا دوسروں کو صدقات اور خیرات کا حکم دیتا اور جب لوگ روپیہ لے کر آتے تو جمع کر کے رکھ لیتا اور فقراء اور مساکین کو نہ دیتا اسی طرح اس نے اشرفیوں کے سات مٹکے جمع کر لیے جب وہ مر گیا اور لوگ حسن عقیدت کے ساتھ اسکی تجہیز و تکفین کے لیے جمع ہوئے میں نے لوگوں سے اس کا حال بیان کیا اور وہ سات مٹکے دکھلائے لوگوں نے دیکھ کر کہا خدا کی قسم ہم ایسے شخص کو ہرگز دفن نہ کریں گے۔ بالآخر اس پادری کو سولی پر لٹکا کر سنگسار کر دیا اور اس کی جگہ کسی اور عالم کو بٹھلایا۔

سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے زائد کسی کو عالم اور اس سے بڑھ کر کسی کو عابد و زاہد اور دنیا سے بے تعلق اور آخرت کا شائق اور طلبگار نمازی اور عبادت گذار کسی کو نہیں دیکھا اور جس قدر مجھ کو اس عالم سے محبت ہوئی۔ اس سے پیشتر کبھی کسی سے اس قدر محبت نہیں ہوئی۔ میں برابر اس عالم کی خدمت میں رہا جب ان کا اخیر وقت آ گیا تو میں نے عرض کیا کہ آپ مجھ کو وصیت کیجیے اور بتلایئے کہ آپ کے بعد کس کی خدمت میں جا کر رہوں؟ کہا موصل میں ایک عالم ہے تم اس کے پاس چلے جانا۔ چنانچہ میں ان کے پاس گیا اور ان کی وفات کے بعد ان کی وصیت کے مطابق شہر عموریہ میں ایک عالم کے پاس رہا جب ان کا بھی انتقال ہونے لگا تو میں نے کہا کہ میں فلاں فلاں عالم کے پاس رہا اب آپ بتلائیں کہ میں کہاں جاؤں اس عالم نے یہ کہا کہ میری نظر میں اس وقت کوئی ایسا عالم نہیں جو کہ صحیح راستہ پر ہو اور میں تم کو اس کا پتہ بتاؤں۔ البتہ ایک نبی کے ظہور کا زمانہ قریب آ گیا ہے کہ جو دینِ ابراہیمی پر ہوگا۔ عرب کی سرزمین میں اس کا ظہور ہوگا۔ ایک نخلستانی زمین کی طرف ہجرت کرے گا۔ اگر تم سے وہاں پہنچنا ممکن ہو تو ضرور پہنچنا۔ ان کی علامت یہ ہوگی کہ وہ صدقہ کا مال نہ کھائیں گے۔ ہدیہ قبول کریں گے۔ دونوں شانوں کے قریب مہرِ نبوت ہوگی جب تم ان کو دیکھو گے تو پہچان لو گے۔ اس اثناء میں میرے پاس کچھ گائیں اور بکریاں بھی جمع ہو گئیں تھیں اتفاق سے ایک قافلہ عرب کا جانے والا مجھ کو مل گیا۔ میں نے

ان سے کہا کہ تم لوگ مجھ کو ساتھ لے چلو یہ گائیں اور بکریاں سب کی سب تم کو دے دوں گا۔ ان لوگوں نے اس کو قبول کیا اور مجھ کو ساتھ لے لیا۔ جب وادی قریٰ میں پہنچے تو میرے ساتھ یہ بدسلوکی کی کہ غلام بنا کر ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کیا جب اس کے ساتھ آیا تو کھجور کے درخت دیکھ کر خیال ہوا کہ شاید یہی وہ سرزمین ہو لیکن ابھی پورا اطمینان نہیں ہوا تھا کہ بنی قریظہ میں ایک یہودی اس کے پاس آیا اور مجھ کو اس سے خرید کر مدینہ لے آیا۔

حتی قدمت المدینة فواللہ ماھو الاان رایتھا فعرفتھا بصفة صاحبی وایقنت انھا ھی البلدة التی وصفت لی	جب میں مدینہ پہنچا تو خدا کی قسم مدینہ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور یقین کیا کہ یہ وہی شہر ہے جو مجھ کو بتلایا گیا ہے۔

صحیح بخاری میں خود حضرت سلمان سے مروی ہے کہ میں اس طرح دس مرتبہ سے زیادہ فروخت ہوا ہوں (لوگوں نے سلمانؓ کو بار بار بے رغبتی کے ساتھ دراہم معدودہ میں خریدا لیکن اس کی اصلی قیمت کو کسی نے نہ پہچانا) میں مدینہ میں اس یہودی کے پاس رہا اور بنی قریظہ میں اس کے درختوں کا کام کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کو مکہ میں مبعوث فرمایا مگر مجھ کو غلامی اور خدمت کی وجہ سے مطلق علم نہ ہوا جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اور قباء میں بنی عمرو بن عوف کے یہاں آپ نے قیام فرمایا۔ میں اس وقت ایک کھجور کے درخت پر چڑھا ہوا کام کر رہا تھا اور میرا آقا درخت کے نیچے بیٹھا تھا کہ ایک یہودی آیا جو میرے آقا کا چچازاد بھائی تھا اور یہ کہنے لگا۔ خدا بنی قیلہ یعنی انصار کو ہلاک کرے کہ قباء میں ایک شخص کے اردگرد جمع ہیں جو مکہ سے آیا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی اور پیغمبر ہے۔ سلمان فرماتے ہیں۔

فواللہ ان ھوالااخذَ تنی العُرَوآءُ حتی ظننتُ انی ساسقط علی صاحبی	خدا کی قسم یہ سننا تھا کہ مجھ کو لرزہ اور کپکپی نے پکڑا اور مجھ کو یہ غالب گمان ہو گیا کہ میں اپنے آقا پر اب گرا۔

(بشیر ونذیر کی آمد کی بشارت نے سلمان کو ایسا بیخود اور وارفتہ بنادیا کہ اگر لَـوْلَآ اَنْ رَّبَـطْـنَا عَلٰی قَلْبِهَا[1] کا مضمون نہ ہوتا تو درخت سے گر ہی پڑتے) وہ دونوں یہودی ان کی اس حالت اور کیفیت کو دیکھ کر سخت متعجب تھے اور سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان حال یہ شعر پڑھ رہی تھی۔

خَلِیْلَیَّ لا واللّٰه مَا اَنَا مِنْکُمَا اِذَا عَلَمٌ مِنْ اٰلِ لَیْلٰی بَدَالِیَا

اے میرے دوستو خدا کی قسم میں اب تم سے نہیں رہا جبکہ مجھ کو دیار لیلی کا کوئی پہاڑ نظر آ گیا

مدتے بودہ مشتاق لقایت بودم لاجرم روئے ترا دیدم واز جاں رفتم

بہرحال دل کو تھام کر درخت سے اترا اور اس آنے والے یہودی سے پوچھنے لگا بتاؤ تو سہی تم کیا بیان کرتے تھے وہ خبر ذرا مجھ کو بھی تو سناؤ یہ دیکھ کر میرے آقا کو غصہ آ گیا اور زور سے ایک طمانچہ میرے رسید کیا اور کہا تجھ کو اس سے کیا مطلب تو اپنا کام کر۔

جب شام ہوئی اور کام سے فراغت ہوئی تو جو کچھ میرے پاس جمع تھا وہ ساتھ لیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت قباء میں تشریف فرما تھے میں نے عرض کیا کہ مجھ کو معلوم ہوا کہ آپ کے اور آپ کے رفقاء کے پاس کچھ نہیں ہے آپ سب حضرات صاحب حاجت ہیں اس لیے میں آپ کے لیے اور آپ رفقاء کے لیے صدقہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔

آپ نے اپنی ذات مُطہر کے لیے صدقہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور یہ فرمایا کہ میں صدقہ نہیں کھاتا اور صحابہ کو اجازت دی کہ تم لے لو۔

سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا خدا کی قسم یہ ان تین علامتوں میں سے ایک ہے میں واپس ہو گیا اور پھر کچھ جمع کرنا شروع کر دیا جب آپ

[1] اسی کیفیت کو حضرات صوفیہ کی اصطلاح میں وجد کہتے ہیں اور یہ آیت بظاہر اس کا ماخذ ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

مدینہ تشریف لائے تو میں پھر حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کی خدمت میں کچھ پیش کروں۔ صدقہ تو آپ قبول نہیں فرماتے۔ یہ ہدیہ لے کر حاضر ہوا ہوں آپ نے قبول فرمایا اور خود بھی اس میں سے کھایا اور صحابہ کو بھی کھلایا۔ میں نے اپنے دل میں کہا یہ دوسری علامت ہے۔

میں واپس آ گیا اور دو چار روز کے بعد پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ آپ اس وقت ایک جنازے کے ہمراہ بقیع میں تشریف لائے تھے اور صحابۂ کرام کی ایک جماعت آپ کے ہمراہ تھی۔ آپ درمیان میں تشریف فرما تھے۔ میں نے سلام کیا اور سامنے سے اٹھ کر پیچھے آ بیٹھا تاکہ مہر نبوت دیکھوں۔ آپ سمجھ گئے اور پشت مبارک سے چادر کو اٹھا دیا۔ میں نے دیکھتے ہی پہچان لیا اور اٹھ کر مہر نبوت کو بوسہ دیا اور رو پڑا آپ نے ارشاد فرمایا سامنے آؤ میں سامنے آیا اور جس طرح تجھ سے اے ابن عباس میں نے اپنا یہ واقعہ بیان کیا۔ اسی طرح میں نے یہ تمام واقعہ تفصیل کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آپ کے صحابہ کی مجلس میں بیان کیا اور اسی وقت مشرف باسلام ہُوا۔ آپ بہت مسرور ہُوئے۔ اُس کے بعد اپنے آقا کی خدمت میں مشغول ہو گیا اسی وجہ سے میں غزوۂ بدر اور اُحد میں شریک نہ ہو سکا۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے سلمان اپنے آقا سے کتابت[1] کرلو۔ سلمان نے اپنے آقا سے کہا۔ آقا نے یہ جواب دیا کہ اگر تم چالیس اوقیہ سونا ادا کر دو اور تین سو درخت کھجور کے لگا دو جب وہ بارآور ہو جائیں تو تم آزاد ہو۔ سلمان نے آپ کے ارشاد سے قبول کیا اور آپ نے لوگوں کو ترغیب دی کہ سلمان کی کھجور کے پودوں سے امداد کریں۔ چنانچہ کسی نے تیس پودوں سے اور کسی نے بیس پودوں سے اور کسی نے پندرہ سے اور کسی نے دس پودوں سے امداد کی۔ جب پودے جمع ہو گئے تو مجھ سے فرمایا اے سلمان ان کے لیے گڑھے تیار کرو۔ جب گڑھے تیار ہو گئے تو خود دست مبارک سے ان تمام پودوں کو لگایا اور برکت کی دعا فرمائی۔ ایک سال

[1] کتابت اسکو کہتے ہیں کہ غلام اپنے آقا سے یہ مقرر کرلے کہ اگر اس قدر معاوضہ کما کر تمکو ادا کر دوں تو آزاد ہو جاؤں ۱۲

گذرنے نہ پایا کہ سب کو پھل آ گیا اور کوئی پودا ایسا نہ رہا کہ جو خشک ہو گیا ہو۔ سب کے سب سرسبز وشاداب ہو گئے اور سب کو پھل آ گیا۔ درختوں کا قرض تو ادا ہو گیا صرف دراہم باقی رہ گئے۔ ایک روز ایک شخص آپ کے پاس ایک بیضہ کی مقدار سونا لے کر آیا آپ نے فرمایا وہ مسکین مکاتب یعنی سلمان فارسی کہاں ہے اس کو بلاؤ۔ میں حاضر ہوا تو آپ نے وہ بیضہ کی مقدار سونا عطا فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ اس کو لے جاؤ اللہ تمہارا قرضہ ادا فرمائے گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ سونا بہت تھوڑا ہے۔ اس سے میرا قرض کہاں ادا ہوگا۔ آپ نے فرمایا جاؤ اللہ اسی سے تمہارا قرضہ ادا کر دے گا۔ چنانچہ میں نے اس کو تولا تو پورا چالیس اوقیہ تھا میرا کُل قرض ادا ہو گیا اور غلامی سے آزاد ہُوا اور آپ کے ساتھ غزوۂ خندق میں شریک ہوا۔ اس کے بعد تمام غزوات میں آپ کے ہمرکاب رہا[1] (سیرۃ ابن ہشام ص ۷۳ ج ۱)

تعمیر مسجد نبوی

اوّل جس جگہ آپ کی ناقہ آ کر بیٹھی تھی وہ جگہ یتیموں کا مربد تھا یعنی کھجور خشک کرنے کی جگہ تھی۔ آپ نے اس جگہ کی بابت دریافت کیا کہ یہ جگہ کس کی ملکیت ہے معلوم ہوا کہ یہ خرمن سہل اور سہیل کی ہے۔ آپ نے ان دونوں یتیموں کو بلایا تا کہ ان سے یہ قطعہ خرید کر مسجد بنائیں اور ان کے چچا سے جن کی زیر تربیت یہ دونوں یتیم تھے خرید وفروخت کی گفتگو فرمائی۔ ان دونوں نے کہا ہم اس خرمن کو بلا کسی معاوضہ کے آپ کی نذر کرتے ہیں۔ ہم اللہ کے سوا کسی سے اس کی قیمت کے خواستگار نہیں مگر آپ نے قبول نہیں فرمایا اور قیمت دے کر خرید فرمایا۔

زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا

[1] طبقات ابن سعد۔ ج:۴، ص:۱۵۳

کہ اس خرمن کی قیمت دے دیں۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دس دینار اس کی قیمت میں ادا کیے۔ (فتح الباری ص۱۹۲ ج ۷)

بعد ازاں اس زمین پر جو کھجور کے درخت تھے آپ نے ان کے کٹوانے اور قبور مشرکین کے ہموار کر دینے کا حکم دیا اور اس کے بعد کچی اینٹیں بنانے کا حکم دیا اور خود بنفس نفیس اس کے بنانے میں مصروف ہو گئے اور انصار و مہاجرین بھی آپ کے شریک تھے۔ صحابہ کے ساتھ آپ خود بھی اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے اور یہ پڑھتے جاتے۔

هَذَا الْحِمَالُ لَا حِمَالُ خَيْبَرْ هَذَا أَبَرُّ رَبَّنَا وَأَطْهَرْ

یہ خیبر کی کھجوروں کا بوجھ نہیں اے پروردگار یہی بوجھ سب سے عمدہ اور بہتر ہے اور کبھی یہ پڑھتے:۔

اَللّٰهُمَّ إِنَّ الْأَجْرَ أَجْرُ الْآخِرَهْ فَارْحَمِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَهْ

اے اللہ بلاشبہ حقیقت میں اجر تو آخرت کا اجر ہے پس تو انصار اور مہاجرین پر رحم فرما۔ جو صرف آخرت کے اجر کے طلب گار ہیں۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے۔

اللّٰهم لا خير الا خير الآخره فانصر الانصار والمهاجره

اے اللہ آخرت کی بھلائی اور خیر کے سوا کوئی خیر اور بھلائی نہیں پس تو انصار اور مہاجرین کی مدد فرما۔ جو صرف آخرت کی بھلائی اور خیر کے خواہاں ہیں[1] اور صحابہ کرام کی زبانوں پر یہ تھا۔

لئن قعدنا والنبي يعمل لذاك من العمل المضلَّلْ

اگر ہم بیٹھ جائیں اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کام کریں تو ہمارا یہ عمل یعنی بیٹھ جانا بہت ہی برا کام ہوگا۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔

لا يستوي من يعمر المساجدا يدأب فيها قائما وقاعدا

جو شخص اٹھتے بیٹھتے تعمیر مسجد میں سرگرداں ہے۔

---

[1] ایضاً، فتح الباری: ج:۷، ص:۱۹۳

وسن يرى عن التراب حائدا

اور وہ شخص جو کپڑوں سے مٹی اور غبار کو بچاتا ہے دونوں برابر نہیں!

اینٹیں اٹھا اٹھا کر لانے والوں میں عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ عثمان بن مظعون فطری طور پر نظیف الطبع واقع ہوئے تھے مزاج میں صفائی اور ستھرائی بہت تھی۔ جب اینٹ اٹھاتے تو کپڑوں سے دور رکھتے اور جہاں کپڑے پر ذرا بھی غبار پڑ جاتا تو اس کو جھاڑتے (رواہ البیہقی عن الحسن)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ "ومن يرى عن التراب حائدا" بطور مزاح عثمان بن مظعونؓ کے سنانے کے لیے پڑھتے تھے[۲] عجب نہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس مزاح میں اس طرف بھی اشارہ فرماتے ہوں کہ ایسی حالت میں بہ نسبت صفائی اور ستھرائی کے گرد اور غبار ہی بہتر ہے جیسا کہ حدیث میں ہے الحاج الشعث التفل حاجی تو وہی ہے جو گرد آلود اور میلا کچیلا ہو۔ مسند احمد میں طلق بن علی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو گارا گھولنے کا حکم دیا۔ میں پھاؤلہ لے کر گارا گھولنے کیلئے کھڑا ہو گیا۔ صحیح ابن حبان میں ہے کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں بھی اینٹیں اٹھا کر لاؤں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں تم گارا گھولو۔ تم اس کام سے خوب واقف ہو[۳]

یہ مسجد اپنی سادگی[۴] میں بے مثل تھی۔ کچی اینٹوں کی دیواریں تھیں کھجور کے تنوں کے ستون تھے۔ اور کھجور ہی کی شاخوں اور پتوں کی چھت تھی جب بارش ہوتی تو پانی اندر آتا اس کے بعد چھت کو گارے سے لیپ دیا گیا۔ سو گز لمبی اور تقریباً سو ہی گز عریض تھی اور تقریباً تین ہاتھ گہری بنیادیں تھیں دیواروں کی بلندی قد آدم سے زائد تھی۔ دیوار قبلہ بیت

---

[۱] فتح الباری۔ ج:۷، ص:۱۹۳ [۲] زرقانی ج:۱، ص:۳۶۸ [۳] ایضاً۔ ج:۱، ص:۳۶۶

[۴] چنانچہ حسن بصری سے مرسلا مروی ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ابنوہ عریشا کعریش موسیٰ ایسا چھپر بناؤ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کا چھپر تھا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے حسن بصری سے پوچھا کہ موسیٰ علیہ السلام کا چھپر کیسا تھا تو فرمایا کہ جب ہاتھ اٹھاتے تو چھپر کو لگتا تھا ایک دوسری روایت میں ہے کہ انصار نے کچھ مال جمع کیا اور آپ سے یہ عرض کیا کہ اس مسجد کو مزین کر دیا جائے تو آپ نے یہ ارشاد فرمایا۔ مالی رغبۃ عن اخی موسیٰ عریش کعریش موسیٰ میں اپنے بھائی موسیٰ کے طریق سے اعراض نہیں کرنا چاہتا بس یہ ایک چھپر ہے۔ موسیٰ کے چھپر کی طرح (البدایہ والنہایہ ص ۲۵ ج ۳)

المقدس کی جانب رکھی گئی اور مسجد کے تین دروازے رکھے گئے ایک دروازہ اس طرف رکھا گیا جس جانب اب قبلہ کی دیوار ہے اور دوسرا دروازہ مغرب کی جانب میں جسے اب باب الرحمۃ کہتے ہیں اور تیسرا دروازہ وہ کہ جس سے آپ آتے جاتے تھے جسے اب باب جبرئیل کہتے ہیں اور جب سولہ یا سترہ ماہ کے بعد بیت المقدس کا قبلہ ہونا منسوخ ہو کر خانہ کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم نازل ہوا تو وہ دروازہ جو مسجد کے عقب میں تھا بند کر دیا گیا اور اس کے مقابل دوسرا دروازہ قائم کر دیا گیا۔ علماء سیر کا اس میں اختلاف ہے کہ مسجد کا طول وعرض کتنا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ سوگز لمبی اور سوگز چوڑی تھی خارجۃ بن زید فقیہ مدینہ یہ فرماتے ہیں کہ ستر گز لمبی اور ساٹھ گز چوڑی تھی۔ محمد بن یحییٰ امام مالک کے تلمیذ یہ فرماتے ہیں کہ شرقاً وغرباً تریسٹھ گز تھے اور شمالاً وجنوباً چون گز اور دوثلث گز تھے۔ تحقیق یہ کہ مسجد نبوی کی دو مرتبہ تعمیر ہوئی اول جب آپ ہجرت فرما کر ابوایوب انصاری کے مکان میں فروکش ہوئے۔ دوسرے ۷ ہجری فتح خیبر کے بعد بوسیدہ ہو جانے کی وجہ سے آپ نے از سر نو تعمیر کرائی۔ جیسا کہ متعدد احدیث اور مختلف روایات سے ثابت ہے۔ پہلی مرتبہ کی تعمیر میں مسجد کا طول وعرض سوگز سے کم تھا اور دوسری مرتبہ کی تعمیر میں سوگز سے کچھ زائد ہی تھا۔ چنانچہ ابن جریج جعفر بن عمرو سے راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد کو دو مرتبہ بنایا اول جبکہ آپ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اس وقت مسجد کا طول وعرض سوگز سے کم تھا۔ دوسرے فتح خیبر کے بعد ۷ ہجری میں مسجد کو از سر نو بنایا اور زمین لے کر مسجد میں اور زیادہ کی چنانچہ معجم طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مسجد کی توسیع کا ارادہ فرمایا تو مسجد کے متصل ایک انصاری کی زمین تھی۔ آپؐ نے اُن انصاری سے یہ فرمایا کہ یہ زمین جنت کے ایک محل کے معاوضہ میں ہمارے ہاتھ فروخت کر دو لیکن وہ اپنی عسرت وغربت اور کثیر العیالی کی وجہ سے منت نہ دے سکے اس لئے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے اس قطعہ زمین کو بمعاوضہ دس ہزار درہم ان انصاری سے خرید کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول جو قطعہ زمین آپ اس انصاری سے جنت کے محل کے

معاوضہ میں خرید فرمانا چاہتے تھے وہ اس ناچیز سے خرید فرمالیں۔ آپ نے وہ قطعہ بمعاوضہ جنت حضرت عثمان سے خرید کر مسجد میں شامل فرمایا اور اوّل اینٹ اپنے دستِ مبارک سے رکھی اور پھر آپ کے حکم سے ابوبکر نے اور پھر عمر اور پھر عثمان اور پھر علی رضی اللہ عنہم نے رکھی۔ یہ حدیث اگرچہ ضعیف الاسناد ہے مگر مسند احمد اور جامع ترمذی کی ایک حسن الاسناد روایت اس کی مؤید ہے وہ یہ کہ جب باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کرلیا تو یہ فرمایا کہ تم کو معلوم نہیں کہ جب مسجد نبوی تنگ ہوگئی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں کوئی ایسا نہیں کہ جو زمین کے فلاں ٹکڑے کو خرید کر بمعاوضہ جنت مسجد میں شامل کردے اور تم کو خوب معلوم ہے کہ وہ ٹکڑا میں نے ہی خرید کر مسجد میں شامل کیا اور اب تم مجھ کو اسی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے سے بھی روکتے ہو۔

یہ روایت جامع ترمذی میں ثمامۃ بن حزن قشیری سے مروی ہے۔ امام ترمذی نے اس روایت کی تحسین کی ہے اور یہی روایت مسند احمد اور سنن دار قطنی میں احنف بن قیس سے مروی ہے۔ نیز ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جو ۷ ہجری میں حاضر خدمت اقدس ہوئے ہیں وہ بھی اس تعمیر میں شریک تھے جیسا کہ مسند احمد میں خود ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابۂ کرام کے ساتھ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم بھی اینٹیں اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے۔ ایک مرتبہ میں سامنے آگیا تو دیکھا کہ آپ ﷺ بہت سی اینٹیں اٹھا کر لا رہے ہیں اور سینۂ مبارک سے ان کو سہارا دیئے ہُوئے ہیں۔ مَیں سمجھا کہ آپ بوجھ کی وجہ سے ایسا کیے ہوئے ہیں۔ مَیں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مجھ کو دے دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ خذ غیرھا یا ابا ھریرۃ فانہ لا عیش الا عیش الاٰخرۃ (اے ابوہریرہ دوسری اینٹیں اٹھالو۔ تحقیق نہیں ہے زندگی مگر زندگی آخرت کی)

اب ظاہر ہے کہ ابوہریرہ کی یہ شرکت بنائے ثانی میں تھی جو فتح خیبر کے بعد ۷ھ میں ہوئی اور جو بنا ۱ھ میں ہوئی اس میں ابوہریرہ کی شرکت کیسے ممکن ہے نیز عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جو ۵ ہجری میں مشرف باسلام ہوئے بنائے مسجد نبوی میں ان کا شریک ہونا دلائل بیہقی میں مذکور ہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص ۵ ہجری میں مشرف

باسلام ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ ۱ ھ ہجری کی تعمیر میں کیسے شرکت کر سکتا ہے لامحالہ اُن کی یہ شرکت بنائے ثانی میں سمجھی جائے گی۔ یہ تمام تفصیل وفاء الوفاء اور خلاصۃ الوفاء کے باب چہارم میں مذکور ہے۔

تعمیر حُجرات برائے اَزواج مُطہّرات

جب آپ مسجد کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو ازواج مطہرات کے لیے حجروں کی بنیاد ڈالی اور سرِ دست دو حُجرے تیار کرائے ایک حضرت سودہ بنت زمعہ کے لیے اور دوسرا حضرت عائشہؓ کے لیے۔ بقیہ حُجرے بعد میں حسب ضرورت تعمیر ہوتے رہے۔

مسجد کے متصل حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے مکانات تھے جب آپ کو ضرورت پیش آتی تو حضرت حارثہ آپ کو نذر کر دیتے۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے تمام مکانات آپ کی نذر کر دیئے۔ اکثر حجرے کھجور کی شاخوں کے اور بعض کچی اینٹوں کے تھے دروازوں پر کمبل اور ٹاٹ کے پردے تھے۔ حجرے کیا تھے۔ زہد اور قناعت کی تصویر اور دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ تھے۔ ان حجروں میں اگرچہ اکثر و بیشتر رات کو چراغ نہیں جلتے تھے (بخاری شریف ص ۵۶ ج ۱) اور ضرورت بھی نہ تھی۔ جس گھر میں اللہ کا داعی بشیر و نذیر اور سراج منیر رہتا ہو وہاں کسی شمع اور چراغ کی کیا حاجت کسی نے خوب کہا ہے۔

يَا بَدِيْعَ الدَّلِّ وَالْغَنَجِ لَكَ سُلْطَانٌ عَلَى الْمُهَجِ
اے عجیب و غریب ناز و ادا والے تیری سلطنت تو دلوں پر ہے

اِنَّ بَيْتًا اَنْتَ سَاكِنُهٗ غَيْرُ مُحْتَاجٍ اِلَى السُّرُجِ
جس گھر میں تو رہتا ہو وہ کسی چراغ کا محتاج نہیں

وَجْهُكَ الْمَأْمُولُ حُجَّتُنَا يَوْمَ يَأْتِي النَّاسُ بِالْحُجَجِ
تیرا مبارک چہرہ ہمارے لیے کافی حجت ہے جس دن لوگ اپنی اپنی حجتیں پیش کرینگے

حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں ذرا بڑا ہو گیا تو کھڑے ہو کر حجرے کی چھت کو ہاتھ لگا لیا کرتا تھا۔ یہ حجرے سمت مشرق اور شام میں واقع تھے۔ غربی جانب میں کوئی حجرہ نہ تھا (خلاصۃ الوفاء ص ۱۲۷)

ازواج مُطہرات کی وفات کے بعد

ولید بن عبد الملک کے حکم سے یہ تمام حجرے مسجد نبوی میں شامل کر لیے گئے جس وقت ولید کا یہ حکم مدینہ پہنچا ہے تو تمام اہل مدینہ صدمہ سے چیخ اُٹھے۔

ابو امامہ سہل بن حنیف فرمایا کرتے تھے کاش وہ حجرے اسی طرح چھوڑ دیئے جاتے تا کہ لوگ دیکھتے کہ جس نبی کے ہاتھ پر من جانب اللہ دنیا کے تمام خزائن کی کنجیں رکھ دی گئیں تھیں وہ نبی کیسے حجروں اور کیسے چھپروں میں زندگی بسر کرتا تھا۔ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وازواجہ وذریاتہ واصحابہ وبارک وسلم (زرقانی ص ۳۷۰ ج ۱)

اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہ اور ابو رافع کو مکہ مکرمہ روانہ کیا تا کہ حضرت فاطمۃ الزہرا[1] اور حضرت ام کلثوم اور ام المومنین سودہؓ کو لے آئیں۔ اور انہی کے ہمراہ ابو بکر صدیقؓ نے عبد اللہ بن ابی بکر کو روانہ کیا تا کہ حضرت عائشہ اور اسماء اور ام رومان اور عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنھم اجمعین کو لے آئیں۔

جب زید بن حارثہ سب کو لے لیکر مدینہ پہنچے تو اس وقت آپ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان سے تعمیر کردہ حجروں میں منتقل ہو گئے (رواہ الطبرانی عن عائشہؓ زرقانی ص ۳۷۰ ج ۱)

---

[1] حضرت سیدہ اور حضرت ام کلثوم تو زید بن حارثہ اور ابو رافع کے ساتھ مدینہ آئیں اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت عثمانؓ کے ہمراہ پہلے ہی مدینہ آ چکی تھیں۔ حضرت زینب اپنے شوہر ابو العاص بن ربیع کے ساتھ مکہ میں ہی رہیں ابو العاص ہنوز مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے۔ جنگ بدر میں جب اسیر ہو کر آئے تو آپؐ نے ان کو اس شرط پر چھوڑا کہ میری بیٹی زینب کو تم بھیج دو چنانچہ ابو العاص مکہ آئے اور حضرت زینب کو آپ کے پاس پہنچا دیا ۱۲ از زرقانی ص ۳۷۰ ج ۱

زیادات خلفاء راشدین در مسجد خاتم مساجد الانبیاء والمرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین[1]

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں مسجد نبوی میں کوئی اضافہ نہیں کیا صرف جو ستون بوسیدہ ہونے کی وجہ سے گر پڑے تھے ان کی جگہ اسی طرح کھجور کے ستون نصب فرما دیئے۔

حضرت عمر نے ۱۷ھ میں قبلہ اور غربی جانب میں مسجد نبوی کو بڑھایا اور شرقی جانب میں چونکہ ازواج مطہرات کے حجرے واقع تھے اس لیے اس جانب میں کوئی اضافہ نہیں فرمایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف مسجد کی توسیع فرمائی مگر اس کی اصلی شان اور ہیئت میں کوئی تغیر وتبدل نہیں فرمایا۔ یعنی نبی کریم ﷺ کی طرح کچی اینٹوں سے مسجد کی تعمیر کرائی اور کھجور کے ستون اور کھجور کی شاخوں اور پتوں کی چھت ڈالی اور اس کی اصلی سادگی کو برقرار رکھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں مسجد کی توسیع بھی فرمائی اور بجائے کچی اینٹوں کے منقش پتھروں اور قلعی چونہ سے اس کی تعمیر کرائی اور ستون بھی پتھر ہی کے لگائے اور سال کی لکڑی کی چھت ڈالی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب اس شان سے مسجد نبوی کی تعمیر کا ارادہ فرمایا تو حضرات صحابہ پر یہ شاق گذرا کہ مسجد نبوی کی سادگی اور ہیئت میں کوئی تغیر وتبدل کیا جائے حضرت عثمان نے جب صحابہ کا بار بار انکار اور ناگواری وکراہت کا اظہار دیکھا تو ایک خطبہ میں یہ فرمایا۔

[1] یہ ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے صحیح مسلم اور نسائی میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں خاتم الانبیاء ہوں اور میری مسجد خاتم المساجد ہے یہ لفظ نسائی کے ہیں مسلم کے الفاظ یہ ہیں میں آخر الانبیاء ہوں اور میری مسجد آخر المساجد ہے مسند بزار وغیرہ میں یہ الفاظ ہیں۔ انا خاتم الانبیاء ومسجدی خاتم المساجد یعنی میں خاتم الانبیاء ہوں اور میری مسجد ان مساجد کی خاتم ہے کہ جن مسجدوں کو حضرات انبیاء نے تعمیر فرمایا پس جس طرح آپ کے بعد کوئی اور نبی اور پیغمبر حادث نہ ہوگا اسی طرح آپ کی مسجد کے بعد کوئی پیغمبر مسجد بھی نہ بنائے گا۔ یہ مطلب نہیں کہ آپ کی مسجد کے بعد دنیا میں کوئی مسجد نہ بنے گی ۱۲۔

انکم اکثرتم وانی سمعت النبی صلے اللہ علیہ وسلم من بنی مسجد ایبتغی به وجه اللہ بنی اللہ له مثله فی الجنة۔[1]

تم لوگوں نے اس بارے میں بہت چہ میگوئیاں کی ہیں اور تحقیق میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ محض اللہ کی خوشنودی کے لیے کوئی مسجد بنائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اسی کے مثل جنت میں ایک محل بنا دیتا ہے۔

ماہ ربیع الاوّل ۲۹ھ میں تعمیر شروع ہوئی اور محرم الحرام ۳۰ھ کو تعمیر ختم ہوئی اس حساب سے زمانہ تعمیر کل دس ماہ ہوتے ہیں۔[2]

امام مالکؒ سے منقول ہے کہ جب حضرت عثمان نے مسجد نبوی کی تعمیر شروع کرائی تو کعب احبار یہ دعا مانگتے تھے کہ اے اللہ یہ تعمیر پوری نہ ہو لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو یہ فرمایا کہ بس یہ تعمیر ختم ہوئی اور آسمان سے فتنہ اترا۔[3]

نمازِ جنازہ کی جگہ

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو ہم میں سے جو شخص مرنے کے قریب ہوتا تو ہم آپ کو اطلاع کرتے، آپ تشریف لاتے اور اُس کے لیے استغفار فرماتے۔ مرنے کے بعد دفن تک وہیں تشریف رکھتے۔ اس میں بسا اوقات آپ کو بہت دیر ہو جاتی اس لیے ہم نے یہ التزام کر لیا کہ مرنے کے بعد آپ کو اطلاع دیا کریں چنانچہ چند روز یہی معمول رہا کہ مرنے کے بعد آپ کو اطلاع دیتے آپ تشریف لاتے اور نماز پڑھتے اور میت کے لیے دعا اور استغفار فرماتے بعض اوقات دفن میں بھی شرکت فرماتے اور بعض اوقات نماز جنازہ سے فارغ ہو کر واپس تشریف لے جاتے۔

[1] فتح الباری، ج:۱،ص:۴۵۳ [2] وفاء الوفاء ج:۱،ص:۳۵۶ [3] فتح الباری ج:۱،ص۴۵۳